فاقصص القصص لعلھم یتفکرون

لطائفِ حقّانی

عالم ربّانی حضرت محمّد پالن حقّانی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

کے پُرحکمت ونصیحت آموز لطیفے

فوائد وترتیب

مُفتی محمد معصوم قاسمی

ناظم جامعہ عربیہ مدرسۃ المؤمنین قصبہ منگلور

ناشر

مکتبۃ العارف

قصبہ منگلور، ضلع ہریدوار (اُتراکھنڈ)

فون: ۰۷۲۴۳۱۷۹۸۹، ۹۹۹۷۴۱۲۱۵۲

فاقصص القصص لعلهم يتفكرون

لطائفِ حقّانی

عالم ربانی حضرت محمد پالن حقانی گجراتیؒ

کے

پُر حکمت و نصیحت آموز لطیفے

فوائد و ترتیب

مفتی محمد معصوم قاسمی

ناظم جامعہ عربیہ مدرسۃ المؤمنین قصبہ منگلور

ناشر

مکتبۃ العارف، منگلور، ہریدوار، اتراکھنڈ

فون: 9897134270, 9997412152, 01332-222528

نام کتاب ..... لطائف حقانی
مصنف ..... حضرت مولانا مفتی محمد معصوم صاحب قاسمی
تعداد صفحات ..... ۲۸۸ (دوسو اٹھاسی)
ناشر ..... مکتبۃ العارف، منگلور
کمپیوٹر کتابت ..... شاہ عالم، مصباح الدین، دیوبند
قیمت .....

ملنے کے پتے

(۱) مکتبۃ العارف (زد مدرسۃ المومنین) منگلور، ہریدوار، اتراکھنڈ
پن کوڈ ۲۴۷۶۵۶۔ فون ۰۹۸۹۷۱۳۳۲۷۰ / ۰۹۹۹۷۳۱۲۱۵۴

(۲) حماد بکڈپو، منگلور، ہریدوار، اتراکھنڈ۔

(۳) مدرسۃ المومنین، منگلور، ہریدوار، اتراکھنڈ۔ فون ۰۱۳۳۲/۲۲۲۵۲۸

(۴) مکتبہ حبیبیہ دیوبند۔ پن کوڈ ۲۴۷۵۵۴۔

(۵) دیوبند کے تمام ہی کتب خانوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

حمد

دربارگاہ ذوالجلال والاکرام

نتیجۂ فکر: مولانا محمد حسین قاسمی منگوری

تیرے بندے ہیں یارب مبتلائے غم کہاں جائیں
نظام زندگی ہے درہم و برہم کہاں جائیں

ہماری خانہ بربادی ہمیں دردر پھراتی ہے
نکل تیری دنیا سے الٰہی ہم کہاں جائیں

ہماری جان ومال وآبروپر مرگ طاری ہے
مصیبت میں نہیں اپنا کوئی ہمدم کہاں جائیں

نہیں ہم بدنصیبوں کا ٹھکانہ اب کہیں یارب
زمین ہے تنگ ہم پر آسماں برہم کہاں جائیں

نہیں ہے سینہ کوبی کی اجازت اہل میت کو
ہم اپنی موت کا کرنے کو اب ماتم کہاں جائیں

جنون عشق میں اختر یہ سر شوریدہ کہتا ہے
تیرے در کے سوا اے فتنہ عالم کہاں جائیں

نعت

حضرت لے کے آیا ہوں
خدا کی یاد دل میں جب
دولت لے کے آیا ہوں
جو دولت لٹ نہیں سکتی وہ
قرآن پاک کی سچی محبت لے کے آیا ہوں
شہ لولاک کی توقیر و عظمت لے کے آیا ہوں
میں آل پاک کی الفت لے کے آیا ہوں
میں اصحاب نبی کی دل میں عظمت لے کے آیا ہوں
میری جلوت میری خلوت رہین ذکر مولا ہے
فرشتے جس پہ قرباں ہیں وہ قربت لے کے آیا ہوں
شفیع المذنبین فرمائیں گے آکر قیامت میں
گنہگارو نہ گھبراؤ شفاعت لے کے آیا ہوں
سناؤں گا مناؤں گا تمہیں ہاں ہاں سناؤں گا
پیام حضرت فخر رسالت لے کے آیا ہوں

کلمات تبریک

متکلم اسلام حضرت مولانا سید ابوالکلام صاحب دامت برکاتہم

رئیس المبلغین دارالعلوم وقف دیوبند

''لطائف حقانی'' عزیزم مولوی مفتی محمد معصوم صاحب کی ترتیب دادہ کتاب ہے۔ جس میں انہوں نے مشہور واعظ محمد پالن حقانی کے ان لطائف وحکایات کو جمع فرمایا ہے۔ جسے وہ اپنی تقریروں میں بطور مثال کے بیان فرماتے تھے۔ چیدہ چیدہ جگہوں پر نظر ڈالی، ترتیب خوب ہے۔ نیز عزیزم نے ان لطائف سے فوائد اخذ کرکے ''فوائد'' کے عنوان سے انہیں بھی ذکر کیا ہے۔ یہ ایک علمی اور مفید کام ہے۔

عزیزم سلمہ کو اللہ رب العزت نے گوناگوں خصوصیات سے نوازا ہے، آپ ایک صاحب استعداد عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک معیاری ادارہ کے منتظم اعلیٰ ہیں اور قرب وجوار میں دینی خدمت کے حوالے سے نیک نام بھی۔

دعاء ہے اللہ رب العزت آپ کے دیگر علمی ودینی کاموں کی طرح اس کتاب کو بھی قبولیت عامہ سے نوازے اور آخرت کی فلاح وکامیابی کا ذریعہ بنائے۔

وماتوفیقی الاباللہ

سید ابوالکلام دیوبند

یکم جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

ارشادِ عالی

حضرت مولانا فضیل احمد صاحب القاسمی دامت برکاتہم

جنرل سکریٹری مرکزی جمعیۃ علماء ہند

حضرت مولانا حقانی علیہ الرحمہ کا شمار ان شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے رسمی علم حاصل کے بغیر میدان خطابت میں ایسے مفید آسان مضامین کی شمعیں روشن کیں، جن سے بے شمار لوگوں کے سینے روشن ہوگئے۔ حقانی صاحب بڑے مزے لے لے کر سامعین کو بزرگوں کے سچے واقعات سناتے اور ان واقعات سے اچھے نتائج اخذ کرتے۔ ان تقاریر میں واقعات بکھرے پڑے تھے کہ جواں سال عالم مفتی محمد معصوم قاسمی صاحب نے ان کو ایک دھاگے میں پرونا شروع کر دیا اس دھاگے کا نام ہے "لطائف حقانی" مفتی صاحب نے ان موتیوں کی قدر وقیمت سے قارئین کو واقف کرانے کی اچھی کوشش کی ہے۔ واقعات ہمارے ماضی کا حصہ ہیں، زریں ماضی سے جو قوم فائدہ اٹھاتی ہے اسکا حال بھی زریں ہوتا ہے اور مستقبل بھی تابندہ۔

اللہ تعالیٰ حقانی صاحب اور ان تمام بزرگوں کی جن کے واقعات ہیں مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے اور مرتب کی صلاحیت کو جلا بخشے، افادہ عام وتام فرمائے۔

والسلام

فضیل احمد قاسمی

جنرل سکریٹری مرکزی جمعیۃ علماء ہند

ارشادِ گرامی

ادیب اریب، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی، دامت برکاتہم

استاذ وفقہ وادب دارالعلوم دیوبند

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم۔ امابعد!

یہ کتاب (لطائف حقانی) جناب مولانا مفتی محمد معصوم صاحب قاسمی حفظ اللہ ناظم جامعہ عربیہ مدرسۃ المومنین منگلور (ہریدوار) نے ترتیب دی ہے۔ دراصل یہ ان حکایتوں کا گلدستہ ہے جن کو عالم ربانی محترم محمد پالن حقانی صاحبؒ نے اپنے مواعظ وتقاریر میں بیان فرمائیں، جو نہایت دل آویز اور مسحور کن ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کی تقریر بے نظیر اور نہایت دل پذیر ہوتی تھی۔ فرمان رسول ﷺ "ان من البیان لسحرا" کی جیتی جاگتی تصویر ہوتی۔ گویائی کے ساتھ شیریں بیانی بھی رب کریم نے ان میں ودیعت فرمائی تھی۔ ایسا پرتاثیر وعظ ہوتا کہ ایک پوری قوم کی کایا پلٹ جاتی اور دل کی دنیا بدل جاتی۔ آں موصوف مرحوم کی تقریر کی امتیازی شان یہ بھی تھی کہ وہ قرآنی وحدیثی دلائل سے مزین ہوتی بلکہ دوران تقریر معتبر کتب سے صفحات کے ضبط کے ساتھ حوالوں کا انبار لگا دیتے۔ ۱۹۶۵ء کی بات ہے کہ جناب مولانا پالن حقانی صاحبؒ میری ابتدائی مادر علمی مدرسہ شمس العلوم سرائے ترین سنبھل کے ناظم حضرت قاری عبدالحق صاحبؒ کی دعوت پر اپنے علاقے گجرات سے پہلی بار ہمارے علاقے میں تشریف لائے اور ان کی دسیوں تقریر سنبھل اور مرادآباد کے اطراف میں ہوئیں۔ بڑے سے بڑا میدان ان کی تقریر کے لیے تنگ پڑ جاتا، جوق در جوق لوگ حاضر ہوکر شرف حاصل کرتے تقریباً ایک ماہ ان کے پروگرام چلے۔ بندے نے بھی سر کے کانوں سے ہر تقریر سنی، لوگ بھی ہمہ تن گوش ہوکر حقانی صاحب کا بیان سنتے انکی شعلہ بار اور دل نشیں تقریروں نے ایوان باطل میں زلزلہ پیدا کر دیا تھا ان کے خطبات کے

موثر ہونے کی اہم وجہ یہ بھی تھی کہ وہ واقعات وقصص کو باموقع سناتے۔
بلکہ نشاط تازہ کرنے کے لیے لطائف وظرائف بھی یوں کہہ کر پیش فرماتے کہ لو ایک
بے مزگی بھی سن لو۔ بہر حال ان کے بیانات حکمت وموعظت سے لبریز ہوتے جن سے متاثر
ہوکر بڑے بڑے فاسق وفاجر اور فرق باطلہ سے تعلق رکھنے والے سیکڑوں انسان ہدایت سے
بہرہ ور ہوئے ان کی تقریروں کا مجموعہ اور افادات طبع ہوکر کچھ منظر عام پر بھی آچکے ہیں۔
موصوف کی تالیف شریعت یا جہالت بہت پہلے زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہے۔ اسی طرح
ملفوظات کا مجموعہ اور دیگر تالیفات بھی چھپی ہیں ان میں بھی لطائف وظرائف درج ہیں۔

اسی خرمن سے خوشہ چینی کرکے عزیز مکرم جناب مولانا مفتی محمد معصوم قاسمی نے لطائف
حقانی کے نام سے اس کا ایک جوس ملت کے سامنے پیش کیا ہے۔ موصوف نے ہر لطیفہ کا ایک
عنوان لگایا ہے اور اس سے کوئی نہ کوئی جو نصیحت نکلی ہے اسے فائدے کا عنوان دے کر درج کیا
ہے۔ نیز حکایات کے الفاظ میں جو کہیں گنجلک تھی اس کو سہل تر کردیا ہے۔ بہر حال آں عزیز کا یہ
اہم اور مفید کام ہے اس سے ان شاء اللہ مستفیدین کو بہت فائدہ ہوگا، خاص کر مقررین کے لیے
لطائف وظرائف واقعات وتمثیلات کی افادیت بہت واضح ہے کہ سامعین کے ذہنوں میں اپنی
بات کو بٹھانے، مجمع کو جمائے رکھنے اور دل بستگی پیدا کرنے میں یہ نہایت ہی معاون ہوتے
ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس کے افادے کو عام وتام فرمائے۔

آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین

خیر خواہ

عبدالخالق سنبھلی استاذ دارالعلوم دیوبند

۱۴۲۹/۵/۳۰

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمد احسان صاحب قاسمی ندوی مدظلہ العالی
مفتی ونائب مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد!

عبرت آموز واقعات وقصص انسان کی زندگی کو بہتر بنانے میں غیر معمولی اہمیت کے
حامل ہوتے ہیں، زندگی کو ترقی کی راہوں پر گامزن کرنے والی کوئی بات اگر کسی واقعہ کی روشنی
میں سمجھائی جائے تو وہ موثر ترین ثابت ہوتی ہے۔ خود رب کائنات نے انسانوں کی راہبری و
عبرت کے لیے قرآن کریم میں انبیاء کرامؑ کے واقعات، اقوام عالم اور سلاطین کے قصے بڑی
اہمیت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اکرم ﷺ کے بے شمار واقعات قلم بند
فرمائے اور تابعین تبع تابعین، محدثین ومفسرین اور تمام ہی انشاء پردازوں وقلمکاروں نے اس
غیر معمولی اہمیت کی حامل صنف کو اختیار فرمایا، اہل ورع اور واعظین کے یہاں بھی واقعات کی
بڑی قدردانی ہوتی ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نوراللہ مرقدہ کے خطابات اور تحریروں
میں انتہائی سادے وعام فہم واقعات اور عبرتوں سے لبریز قصے خوب پائے جاتے ہیں۔

علماء دیوبند نے اس صنف سے خوب فائدہ اٹھایا اور اس میدان میں بھی ان کی گرا
ں قدر خدمات سنہرے قلم سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ ماضی قریب میں مولانا پالن حقانی کی
تقریروں میں قصص وواقعات خوب پائے جاتے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے نرالا اسلوب عطا فرمایا
تھا، بہت ہی سادہ زبان میں عام فہم واقعات ان کی تقریروں میں ایک عجیب سی حلاوت وکشش
پیدا کردیتے تھے۔

محترم مولانا و مفتی محمد معصوم صاحب قاسمی ناظم مدرسۃ المومنین منگور کو اللہ تعالیٰ نے متنوع صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ بہترین ناظم، منتظم، معیاری مدرس کامیاب مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ انشاء پردازی کا عمدہ سلیقہ رکھتے ہیں۔ موصوف نے آں محترم مولانا پالن حقانی کے بیان کردہ واقعات کو یکجا کیا ان کی تسہیل فرمائی اور ہر ہر واقعہ کے ذیل میں اس کی مدلل وضاحت فرمائی کہ کس واقعہ سے کیا فائدہ اور کیا عبرت حاصل ہوتی ہے۔

اس طرح یہ مجموعہ "لطائف حقانی" واعظین طلبہ اور عوام تمام کے لیے اہمیت کا حامل اور مفید ترین ہوگیا۔

اللہ موصوف کی اس محنت کو قبول فرمائے اور امت کے لیے اس کو فائدہ کا باعث بنائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

محمد احسان قاسمی ندوی

مفتی و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند وقف

۱۴۲۹/۵/۲۸

رائے گرامی

حضرت مولانا مفتی ریاست صاحب ہریدواری، زید مجدکم

استاذ دارالعلوم دیوبند (الہند)

حامداً و مصلیاً و مسلماً! اما بعد۔

زیر نظر کتاب مسمّٰی بہ "لطائف حقانی" جناب مولانا پالن حقانی گجراتیؒ کے بیان کردہ واقعات وحکایات کا مجموعہ ہے۔ یہ واقعات وحکایات جو ایک جواہر پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں، مولنا حقانی صاحبؒ کے طویل مجموعہ "تقاریر حقانی" میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے محترم جناب مولانا مفتی محمد معصوم صاحب مدظلہ العالی ناظم مدرسۃ المومنین قصبہ منگور کو کہ انھوں نے عرق ریزی کے ساتھ ان جواہر پاروں کو یکجا کر کے ان سے استفادہ آسان کر دیا ہے۔

اور ان واقعات میں سے ہر ایک پر مناسب عنوان چسپاں کر کے اس واقعہ سے اخذ ہونے والے نتیجہ کو فائدے کے نام سے قلمبند کر دیا ہے۔

آں محترم کی مساعی جمیلہ سے یہ مجموعہ ایک دل چسپ کتاب کی شکل میں منظر عام پر آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف محترم کو اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور اس کتاب کو علماء، طلبہ، واعظین اور عوام سبھی کیلئے مفید تر بنائے۔ (آمین)

بقلم: ریاست علی خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۱۴۲۹/۵/۲۸ھ

تقریظ

حضرت مولانا محمد رفیق صاحب قاسمی زید مجدہٗ

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

زیر نظر کتاب "لطائف حقانی" کو بالاستیعاب تو میں نہیں پڑھ سکا مگر چیدہ چیدہ جگہوں سے چند واقعات کو پڑھا۔

مولانا پالن حقانی کے ملفوظات اوران کی تصنیف شدہ کتب سے ان متفرق واقعات کو یکجا جمع کرکے ہرایک واقعہ سے فائدہ اخذ کرنا اوراس کو واقعہ کے بعد قلم بند کرنا عوام وخواص کے لیے نہایت مفید ہے،خصوصاً واعظین ومقررین کے لیے تو بے حد نفع بخش ہے کیوں کہ کسی بات کو واقعہ کے ذریعہ بیان کرنا ذہن نشین ہوتا ہے،زیادہ معین مددگار رہتا ہے اور واقعات کی روشنی میں تقریر کو سامعین بڑی دل چسپی سے سنتے ہیں۔

ان واقعات میں اکثر اخلاقیات کو بیان کیا گیا ہے۔اگر مسلمان کے پاس اخلاق حسنہ ہوں تو اپنے اور غیر سب متاثر ہوتے ہیں۔نیز اشاعت اسلام میں بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

قابل تحسین ہیں عزیزم مفتی محمد معصوم سلمہ اللہ تعالیٰ ناظم مدرسۃ المومنین منگلور باوجود عدیم الفرصت ہونے کے (چوں کہ ایک بڑے ادارے کی ذمہ داری شب وروز محنت کی متقاضی ہے درس بھی دینا ہے نظام بھی سنبھالنا ہے) متفرق واقعات کو بنظر غائر مطالعہ کرکے کتابی شکل دینا اور ہرایک واقعہ سے واقعہ کے مطابق علحدہ علحدہ فائدہ اخذ کرنا اور واقعات کے مناسب عناوین متعین کرنا انتہائی علمی شغف وعلمی قابلیت کی علامت ہے۔اس لیے کہ واقعہ سن کر یا پڑھ کر اس سے فائدہ اخذ کرنا ہرآدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس کتاب کو قبولیت عامہ فرماکر آئندہ دوسری کتب تصانیف کی توفیق عطا فرمائے اور ثواب دارین عطا کرکے ذریعہ نجات بنائے۔نیز قارئین حضرات سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں میں احقر کو بھی یاد فرمائیں۔

وآخردعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فقط والسلام

دعاؤں کا محتاج

محمد رفیق قاسمی مظفرنگری

مقیم حال مدرسہ راشدیہ جوالاپور ہردوار اترانچل

١٤٢٩/٥/٢٨

تأثرات

حضرت مولانا محمد راشد قاسمی عفی عنہ

حضرت مولانا محمد حقانی صاحبؒ جو کہ بیک وقت مبلغ، مقرر، متقی، عارف، حق گو، حق شناس تھے۔ ان کی عظیم خدمات، ان کی ذہانت خداداد اور ان کے علم ربانی سے کون شخص ناواقف ہے، جنہوں نے بدعت، شرک اور غیر مقلدیت کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں، جن کے متعلق ان کے ہم عصر جید علمائے کبار کا بیان ہے کہ ہماری زندگی میں کبھی گمراہ انسانوں کی اصلاح وتربیت اتنے اونچے پیمانے پر نہیں ہوئی کہ جن کی پیشانی کبھی سجدے کے لیے نہیں جھکتی تھی وہ آن کی آن میں خدا تعالیٰ کے سچے غلام بن گئے، جن کی عمریں چوری، جوا، سٹہ، شراب وکباب پیر پرستی وغیرہ گناہوں میں گزری تھیں ان کے دل پگھلنے پر مجبور ہوگئے اور سچی توبہ کی دولت نصیب ہوئی۔

حضرت حقانیؒ جن کے بیانات ملک کے مختلف مقامات گجرات، مہاراشٹر، حیدرآباد، کانپور، بمبئی، منگلور اور بیرون ملک جنوبی افریقہ تک ہوئے تھے اور لاکھوں کی تعداد میں مجمع ہوتا تھا اور جن کے علم وتقویٰ کی تائید حضرت علامہ صدیق باندویؒ، حضرت حکیم الاسلامؒ، حضرت شیخ الحدیثؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ وغیرہ جیسے مقتدر اکابر امت نے کی ہے ان ہی شخصیات کی زبان سے بکھرے ہوئے موتیوں کو واقعات کی شکل میں جمع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے ہمارے مشفق ومکرم حضرت مولانا مفتی محمد معصوم صاحب نے۔ وہ وقعات اگرچہ معمولی اور سادہ ہیں لیکن ان واقعات سے جو اہم فوائد اپنی خداداد ذہانت سے حضرت مفتی صاحب نے اخذ کیے ہیں وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ناظرین کے لیے اصلاح وتربیت کا ذریعہ ہوں گے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب "لطائف حقانی" کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

خیر اندیش

محمد راشد قاسمی عفی عنہ

خادم جامعہ سبیل السلام منگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دو لفظ

---------- قاری نسیم احمد منگلوری

زباں میں فصاحت، گفتگو میں بلاغت، الفاظ میں لطافت، معانی میں نزاکت، بالکل سادہ انسان، اہلسنت کی برہان، خطیب العصر، اہل حق کی زینت، سرچشمۂ ہدایت، حامی سنت، ماحی بدعت، ترجمان حنفیت، حب رسالت سے معمور حضرت محمد پالن حقانی مدت ہوئی انہیں ہم سے بچھڑے ہوئے، لیکن ان کی یاد غم کدۂ دل میں ہنوز آباد ہے۔

کتنے حسین لوگ تھے جو مل کے ایک بار
آنکھوں میں بس گئے، دل وجاں میں سما گئے

حضرت حقانی علیہ الرحمہ جیسے عظیم خطیب وواعظ کی بہار آفریں خطابت وموعظت کی کیا نقشہ کشی کروں! آپ کی بات دل سے اٹھتی ہے، دل پر گرتی ہے۔ ایسے عظیم خطیب العصر کے بیان وتقاریر میں عبرت آموز، نصیحت آموز لطائف بھی ہوتے ہیں۔ ایک جانب ان لطائف کو سن کر لبوں پر تبسم رقصاں ہوتی تو دوسری طرف عبرت ونصیحت بھی ملتی ہے۔ حضرت کے لطائف جو کہ مختلف طور سے موتیوں کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا مفتی محمد معصوم قاسمی صاحب کو جو کہ ایک صالح نوجوان، فاضل دارالعلوم وقف دیوبند، مقبولیت عامہ کے مالک، خداداد صلاحیتوں سے سرفراز، قلم وزبان میں لاجواب، شریف وخوش مزاج، ملنسار، معلوم ہوتا ہے کہ ہر میدان کے سپاہی ہیں۔ آپ نے حقانی صاحبؒ کے لطائف کو قلمبند کر کے ایک گلدستہ کی طرح سجایا ہے۔ یقیناً یہ کام ہر کس وناکس نہیں کر سکتا تھا۔ مفتی موصوف نے یہ تاریخی کارنامہ انجام دینے کے ساتھ ہی حقانی صاحبؒ کے لطائف حقانیہ سے استفادہ آسان کر دیا ہے۔

اللہ رب العزت موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو مقبولیت سے سرفراز فرمائے (آمین)۔

نسیم احمد منگلوری

چیف بیورو

روزنامہ ہمارا سماج، دہلی

عرضِ مرتب

دین اسلام کے نزول کے لیے انتخاب ایسی ذات کا کیا گیا جو نہ لکھنا جانتی تھی اور نہ پڑھنا، جس کا لقب ہی امی تھا۔ جو قوم اولین مخاطب ہوئی وہ بھی امی ہی۔ یہ ہے مظاہرۂ قدرت کہ ان امیوں سے پوری کائنات میں نورِ علم روشن کر دیا۔ سچ کہا ہے جس نے بھی کہا ہے:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے ☆ کیا نظر تھی ان کی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اللہ رب العزت کی قدرت کا کیا کہنا وہ خاک کے ذرّے کو آفتاب بنا دے، گھٹا ٹوپ اندھیروں میں شمع روشن کر دے، سمندروں کی تہوں سے آب دار موتی نکال دے، مردے کو زندہ کر دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور بلا تکلف قادر ہے۔ اور اپنی اس قدرت کا آئے دن مظاہرہ بھی کرتا رہتا ہے۔

اس مظاہرۂ قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی عالم ربانی حضرت مولانا محمد پالن حقانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ جو ایک ان پڑھ اور معمولی گھرانے میں پیدا ہوئے باپ کی شفقتوں سے بچپن ہی میں محروم ہو گئے، کہاں کی تربیت کہاں کی تعلیم، روزی روٹی کے لیے کپڑے کی مل میں مزدوری کرنے لگے اور قوالی ڈھول تماشے کو پسندیدہ مشغلہ بنا لیا۔

مشیت الٰہی کو کچھ اور ہی منظور تھا، اسے اس خاک کے ذرے کو آفتاب بنانا تھا۔ تقدیر الٰہی نے دست گیری کی اور ایک خدامست مجذوب کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ان کی توجہ اور دعا نے دل کی دنیا بدل دی۔ رضائے الٰہی اور ذوق عبادت کی چنگاری سینے میں شعلہ جوالہ بن گئی۔ پھر کیا تھا ایک تڑپ، ایک لگن اور جذبۂ صادق پیدا ہوا کہ کیوں نہ پوری کائنات میں شرک و بدعت کو مٹا کر سنت نبوی کی شمع روشن کر دوں۔ اٹھے اور اٹھ کر پورے ہندوستان میں دھوم مچا دی۔ کوئی شہر چھوڑا نہ گاؤں۔ ہر جگہ پہنچے اور ہر جگہ یہی آواز دی: اے لوگو! اپنے خالق کو پہچانو اور

نبی کی سنت پر چلو، خرافات وبدعات اور مشرکانہ افعال سے اجتناب کرو۔

یہ پالن حقانی کی آواز تھی یا کوئی غیبی صدا، ہزاروں فرزندان توحید آپ پر جان نچھاور کرنے لگے، لاکھوں نے فسق وفجور اور خرافات وبدعات سے توبہ کی اور کروڑوں نے فیض حاصل کیا۔

چوں کہ وعظ ونصیحت کے لیے آپ کا انتخاب اسباب سے ہٹ کر من جانب اللہ ہوا تھا۔ علوم وہبی عطا کیے گئے تھے جو اپنا ایک اثر رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے مواعظ میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ آپ کا نام سنتے ہی لاکھوں کا مجمع امنڈ پڑتا تھا۔ کسی اجلاس کی کامیابی کے لیے بس آپ کا نام ہی کافی تھا۔ بہر حال اللہ نے آپ سے کام لیا اور زبردست لیا۔ اہل بدعت وفرق ضالہ کی طاقت کو توڑ کر رکھ دیا، اور سنت نبوی کے علم کو ہر جگہ گاڑ دیا۔ اللہ رب العزت آپ کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

دوران وعظ جہاں آپ بقید صفحہ وجلد قرآن وحدیث اور معتبر کتابوں سے گفتگو کرتے تھے۔ وہیں عوام الناس کے سینوں میں بات دلنشیں کرنے کے لیے یہ کہہ کر لطائف وحکایات بھی ذکر فرماتے ''لو ایک بے صفحہ کی بھی سن لو''۔ لطیفے کیا ہیں، پر لطف، پر بصیرت اور پر حکمت نصائح کا مجموعہ۔ چٹکیوں میں بڑی بڑی گتھیوں کو سلجھا دینے والے۔

زندگی کے آخری ایام میں تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے ''شریعت یا جہالت'' ''قرآن وحدیث اور مسلک اہل حدیث'' جیسی لاجواب کتابیں آپ کے عرق ریز قلم سے وجود میں آئیں۔ بعد میں ''تقاریر حقانی'' کے نام سے اپنی تقریروں کو بھی آپ نے خود ہی مرتب فرمایا اور اس میں ان لطیفوں کو بھی ذکر فرمایا، جو موقع اور محل کی مناسبت سے دوران تقریر آپ نے ذکر فرمائے تھے۔

یہ لطیفے سترہ سو چھبیس صفحات پر مشتمل آپ کی کتاب ''تقریر حقانی'' میں پھیلے ہوئے ہیں

دوران مطالعہ خیال آیا کہ اگر ان لطیفوں کو علاحدہ سے کتابی شکل دے دی جائے تو ان حضرات کے لیے استفادہ آسان ہو جائے گا جو "تقاریر حقانی" جیسی مبسوط کتاب کے مطالعہ کا موقعہ نہیں پاتے، یا خریدنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ اسی احساس نے اس جانب متوجہ کیا، دوران ترتیب لطیفوں کے ذیل میں ذکر کردہ فوائد پر جب گہری نظر ڈالی تو محسوس ہوا کہ وہ بہت طویل ہیں۔ نیز خاص پس منظر میں ذکر کئے گئے ہیں ان سے وہی حضرات استفادہ کر سکتے ہیں جن کے سامنے پوری تقریر ہو۔ ورنہ بات معمہ بن جائے گی۔

اس لیے احقر نے ہر لطیفے کے ذیل میں فوائد بھی تحریر کرنے کی کوشش کی ہے۔ در اصل یہی میرا کام ہے۔ علاوہ ازیں لطیفوں کی عبارتوں میں حضرت نے اطناب سے کام لیا ہے مگر تکرار بہت زیادہ ہے، نیز ان لطیفوں پر جو عنوانات لگائے ہیں ان میں بھی بہت تفنن سے کام نہیں لیا، جس کی وجہ سے عنوان دیکھ کر قاری اندازہ نہیں لگا سکتا کہ اس کا موضوع کیا ہے۔

احقر نے حتی الامکان لطیفوں کی عبارتوں کو سلیس کرنے کی کوشش کی ہے اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ مفہوم اور مقصد نہ بدلنے پائے۔ نیز ابتداء میں مناسب اور دلچسپ عنوانات کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اہل علم حضرات ہی بتلا سکتے ہیں۔

اس موقع پر ممنون و مشکور ہوں گرامی قدر محترم و مکرم جناب مولانا سید عبد القادر صاحب استاذ جامعۃ الامام انور دیوبند ابن رئیس المبلغین ومتکلم اسلام حضرت مولانا سید ابوالکلام صاحب مبلغ دارالعلوم وقف کا جنھوں نے اس ترتیب واشاعت میں ہر طرح کا علمی تعاون فرمایا اور مفید مشوروں سے نوازا۔ نیز حافظ محمد اسلام صاحب، راؤ محمد توقیر صاحب، حاجی محمد پرویز صاحب، حاجی محمد ایوب صاحب، امیر حسن انصاری صاحب نیز برادرم محمد اکرم ابن جناب محمد یونس ٹھیکیدار (کہ جواب مرحوم ہیں اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں الفردوس میں اعلی

مقام عطا فرمائے) صاحبان کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان ہی حضرات کی کرم فرمائیوں اور نوازشوں سے یہ کتاب منظر عام پر آسکی۔ اللہ رب العزت تمام حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے (آمین)

خدا قبول کرے نفع عام فرمائے ✲ جزائے خیر کو بے اختتام فرمائے

احقر الوری

محمد معصوم قاسمی

خادم مدرسۃ المومنین منگلور، اتراکھنڈ۔

فون: ٠٩٩٩٧٣١٢١٥٢

١/ جمادی الثانی ١٤٢٩ھ

جامعہ کا تعارف

نام مع پتہ: جامعہ عربیہ مدرسۃ المومنین منگلور، ضلع ہریدوار، اتراکھنڈ

سن قیام: ١٣٢٥ھ

تعلیم: ناظرہ، حفظ مع تجوید، از فارسی تا ششم عربی

★ تعداد مدرسین وملازمین: ٢٢ ★ تعداد طلبہ: ٥٠٠ ★ بیرونی طلبہ: ١٥٠

تخمینہ مصارف سالانہ: =/١٨٠٠٠٠٠ (اٹھارہ لاکھ روپے)

محل وقوع: ضلع ہریدوار میں دہلی روڈ پر منگلور ایک قدیم بستی ہے جہاں پر یہ ادارہ واقع ہے۔

انتساب

اپنی اس حقیر کاوش کو

والدی ماجدی محترم جناب محمد ایوب صاحب زید مجدکم

والدہ محترمہ زید لطفہا

اور

تمام اساتذۂ کرام

کی طرف منسوب کرتا ہوں۔

جن کی آہ سحر گاہی اور کاوشوں سے کچھ لکھنے، پڑھنے

اور کہنے کی شُدبُد پیدا ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیہ والصلوۃ علی نبیہ

(۱)

منہ میاں مٹھو

ایک مولوی صاحب تھے، کسی جگہ تقریر کرنے کو جا رہے تھے، اتفاق سے چھ بجے پہنچنے والی گاڑی لیٹ ہوگئی، وہ رات کو ایک بجے اسٹیشن پر پہنچی، جہاں مولوی صاحب کو جانا تھا؛ ان کے استقبال کے لئے جو لوگ آئے تھے وہ سب کے سب ٹرین لیٹ ہو جانے کی وجہ سے گھر واپس لوٹ گئے، مولوی صاحب اسٹیشن پر کھڑے کچھ دیر سوچتے رہے، پھر خیال آیا کہ اسٹیشن کے باہر ایک ہوٹل ہے، اس میں ایک رات کے لیے کمرہ لے لیا جائے، یہ سوچ کر اسٹیشن کے باہر نکلے اور ہوٹل پہنچ کر ہوٹل کی زنجیر کھٹکھٹائی، ہوٹل کے مالک تو گھر چلے گئے تھے، البتہ ایک نوکر ہوٹل میں تھا، وہ تیسری منزل پر سویا ہوا تھا، سردی کڑاکے کی زبردست پڑ رہی تھی، نوکر بھی بھرپور نیند میں سویا ہوا تھا، دروازہ کھٹکھٹانے پر نیند کھلی، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پنجرا آیا ہوا ہے جو زنجیر کھٹکھٹا رہا ہے۔ وہ نوکر نیچے نہیں اترا، بلکہ تیسری منزل سے پوچھنے لگا کون ہو؟ سردی اس غضب کی پڑ رہی تھی، اس لئے نیچے اترنا اس نے مناسب نہیں سمجھا، بلکہ نیچے جھانک کر بھی نہیں دیکھا کہ کتنے آدمی ہیں، اپنا چہرہ چادر میں لپیٹے ہوئے صرف آواز دے کر پوچھتا ہے کون صاحب ہیں، تو مولوی صاحب نے اپنا جو نام بتایا اسے ذرا غور سے پڑھئے:

الحاج، مفتی، مولانا، مولوی، حافظ، قاری، حامئ سنت، قاطع بدعت، فخر ملت محمد ایقان الرحمٰن عمری قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، صابری، رضوی مدظلہ العالی

یہ سن کر اس ہوٹل والے نے کھڑکی بند کر دی اور کہا ہمارے پاس اتنے آدمیوں کے لئے جگہ نہیں ہے۔ وہ نوکر اتنا لمبا چوڑا نام سن کر یہ سمجھا کہ یہ لوگ دس بارہ آدمی ہیں، اس وجہ سے اس نے کھڑکی بند کر دی اور ہوٹل کا دروازہ نہیں کھولا۔ مولوی صاحب مجبوراً رات بھر ہوٹل کے باہر ایک چبوترے پر پڑے رہے۔ صبح کو جب ہوٹل والے نے دروازہ کھولا تو مولوی صاحب سردی کے مارے کانپ رہے تھے اور ہوٹل والے سے شکایت کرنے لگے کہ رات کو ہوٹل کا دروازہ کیوں نہیں کھولا، ہوٹل والے نے جواب دیا "ہمارے پاس دو تین آدمیوں کی جگہ تھی بس مگر آپ نے اتنی لمبی چوڑی ناموں کی فہرست شمار کرائی کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ دس بارہ آدمی ہیں"۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ہم دس بارہ آدمی کہاں تھے، میں اکیلا ہی تو تھا۔ ہوٹل والے نے کہا آپ نے رات کو جو نام بتائے تھے اس حساب سے میں سمجھا کہ آپ زیادہ لوگ ہیں اس لئے میں نے دروازہ نہیں کھولا، اگر آپ کہتے کہ میں اکیلا ہوں تو میں ضرور کمرہ دیدیتا لیکن آپ کے نام بتانے سے مجھکو غلط فہمی ہوگئی۔

فائدہ

اپنی تعریف کرنا شریعت کے نزدیک بھی پسندیدہ نہیں، ارشاد باری ہے "فَلَا تُزَكُّوا اَنْفُسَكُمْ" یہ تو دینی نقصان ہوا، دنیوی نقصان قصۂ مذکور سے ظاہر ہے، ایک نقصان یہ بھی ہے کہ اپنی تعریف خود کرنے سے انسان دوسروں کی نگاہ میں بھی بے وقعت ہو جاتا ہے، اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ علمائے ربانیین نے اپنی تعریف کو کبھی بھی پسند نہیں کیا۔ ایک فرقہ ہے "بریلوی" اس کے علماء نے طویل طویل القابوں کو اپنے ناموں کا جزء بنالیا ہے۔ اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

☆☆☆☆

(۲)

کھانا کم نہیں ہے بغیر بسم اللہ کے کھاؤ

ایک خاں صاحب تھے اور ایک تبلیغی آدمی تھے، دونوں کا کسی طویل سفر میں ساتھ ہو گیا اور دونوں گہرے دوست بن گئے، سفر کے بعد دونوں اپنے اپنے ملک چلے گئے، خط وکتابت سے بات چیت ہوتی رہی۔ اتفاق سے خاں صاحب تبلیغی دوست کے ملک میں کسی ضرورت سے آگئے اور اپنے دوست سے ملنے گئے، جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو دونوں بہت خوش ہوئے، دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا، خاں صاحب کو کھانا کھلانے کے لئے روک لیا۔ خاں صاحب ماشاء اللہ تندرست اور جوان تھے۔ خان صاحبان عموماً کھانا زیادہ کھاتے بھی ہیں، جب کھانا تیار ہو گیا اور دسترخوان پر لگ گیا تو خاں صاحب کو کھانے کے لئے بلایا اور کہا خاں صاحب بسم اللہ پڑھ کر شروع کیجئے، اللہ تعالیٰ کھانے میں برکت دے گا۔ یہ الفاظ خاں صاحب کے دماغ میں گونجنے لگے کہ یہ مجھ سے بسم اللہ پڑھنے کو کیوں کہہ رہا ہے، پھر اس کی سمجھ میں آیا کہ کھانا کم ہے اس لئے مجھکو بسم اللہ پڑھنے کو کہہ رہا ہے۔ خان صاحب بھی سیدھے سادے بھولی طبیعت کے آدمی تھے، بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کر دیا، اتفاق سے کھانا ختم ہو گیا۔ کھانے کے بعد وہ اپنے ملک چلے گئے۔

اتفاق سے تبلیغی دوست ایک مرتبہ تبلیغی جماعت کے ساتھ خان صاحب کے ملک گئے۔ اور امیر جماعت سے اجازت لے کر اپنے دوست خان صاحب سے ملنے گئے، دونوں کی ملاقات ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور خان صاحب کھانا کھلانے اپنے گھر لے گئے، تبلیغی دوست نے خان صاحب کو کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنے کو جو کہا تھا، وہ اس کے دماغ میں آج بھی

تک رہا تھا۔ خان صاحب نے بہت سا کھانا تیار کرایا اور دسترخوان بچھا کر بہت بڑی تھالی جس میں تقریباً دس کلو کھانا آسکتا تھا بھر کر اپنے دوست کے سامنے رکھ دیا اور کہا "او بھائی بسم اللہ مت بولو ایسے ہی کھاؤ۔ آپ نے جو مجھے کھانا کھلایا تھا وہ کم تھا، اس لئے آپ نے مجھے بسم اللہ پڑھوائی تھی، وہ مجھے ابھی تک یاد ہے اس لئے میں نے آپ کے سامنے بہت سا کھانا رکھ دیا ہے اس میں برکت کی ضرورت نہیں لہٰذا بسم اللہ پڑھے بغیر کھایئے کھانا کم نہیں ہوگا۔

فائدہ

علم دین سے ناواقفی کیا کیا بچھاتی ہے، جیسے رمضان المبارک کے روزوں کے بارے میں گنواروں کو یہ کہتے سنا جاتا ہے کہ جس کے گھر میں کھانا نہ ہو وہ روزہ رکھے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

☆☆☆☆
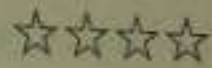
(۳)

کلمہ کسی دوسرے سے پڑھ لینا

ایک جگہ قومی طوفان چل رہا تھا، مارو کاٹو کی ہر طرف سے آوازیں آرہی تھیں، اسی طوفان میں ایک بنیا مسلمان کے ہاتھ آگیا، مسلمان نے بنیے کو زمین پر پٹک دیا اور ذبح کرنے کے لئے چھرا نکال کر اس کی گردن پر رکھ دیا اور کہا پڑھ کلمہ ورنہ ذبح کردوں گا۔ بنیے نے سوچا کہ ذبح ہونے سے بہتر کلمہ پڑھ لینا ہے تاکہ جان بچ جائے، یہ سوچ کر بنیے نے کہا مجھے آپ ذبح نہ

کریں بلکہ کلمہ پڑھا دیں میں مسلمان ہو جاتا ہوں۔ ذبح کرنے والے مسلمان نے بنیے کو چھوڑ دیا اور کہا جا کسی اور سے کلمہ پڑھ لینا۔ حقیقت میں اس مسلمان کو خود ہی کلمہ یاد نہیں تھا۔

فائدہ

مرنے مارنے کو لوگ ہر وقت تیار رہتے ہیں، لیکن دین پر عمل اور اس کی تعلیم سے بالکل کورے رہتے ہیں۔ یہ قصور ماں باپ کا ہے کہ اس کو بچپن میں دینی تعلیم سے محروم رکھا، اللہ کے یہاں اس کا جواب دینا ہوگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ"۔ اس لئے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ اپنے بچوں کو ضرور دینی تعلیم دلائیں اور اسلام کی بنیادی باتوں سے واقف کرائیں، ورنہ آخرت میں پچھتانا ہوگا۔

☆☆☆☆
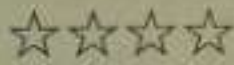
(۴)

میرا باپ نہیں دادا بیوقوف تھا

ایک مستقل قوم ہے جو بھیڑیں پالنے کا کام کرتی ہے، گجرات میں اس کے بھرواڑ کہتے ہیں، یار باری کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک ایک آدمی کے پاس دو دو ہزار تین تین ہزار چار چار ہزار بھیڑیں ہوتی ہیں، جس کے پاس جتنی زیادہ بھیڑیں ہوتی ہیں وہ اتنا ہی زیادہ مالدار سمجھا جاتا ہے۔ ان بھیڑوں کے سال میں دو مرتبہ بال کاٹے جاتے ہیں، چوں کہ وہ بال بہت گرم ہوتے ہیں اس وجہ سے اچھی قیمت پر بک جاتے ہیں، یہی ان لوگوں کی کمائی ہوتی ہے۔ یہ

ڈی گجرات، اور راجستھان میں زیادہ تر رہتے ہیں۔ یہ اپنی اولاد کو تعلیم بالکل نہیں دیتے، بچپن ہی سے بھیڑیں چرانے کا کام کرتے ہیں۔

اتفاق سے ان میں کے ایک آدمی نے اپنے بچے کو بہت ہی اچھی تعلیم دلائی، جس کی وجہ سے وہ کا ایک راجہ کا وزیر بن گیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کے والد کا خط آیا کہ میں تم سے ملنے کے لئے آنے والا ہوں، خط میں پہنچنے کی تاریخ اور گاڑی کا وقت بھی لکھ دیا۔ جب راجہ کو اس بات کا علم ہوا کہ وزیر کے والد صاحب آنے والے ہیں، تو اس نے وزیر صاحب کے والد صاحب کے استقبال کے لئے ریلوے اسٹیشن پر بہت انتظام کیا، جب گاڑی اسٹیشن پر آکر رکی تو وزیر صاحب کے والد صاحب کے استقبال میں توپیں اور بندوقیں چھوٹنے لگیں، بینڈ باجے بجنے لگے۔ ٹرین سے اترنے والے لوگ حیرت سے دیکھنے لگے کہ یہ کس کا استقبال ہو رہا ہے۔ ان لوگوں میں وزیر کے والد صاحب بھی تھے، کھڑے کھڑے وہ بھی یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ٹرین سے جب کوئی جنٹل مین آدمی اترتا ہوا نہیں دکھائی دیا تو راجہ صاحب نے وزیر سے پوچھا کہ آپ کے والد صاحب شاید نہیں آئے، تو وزیر نے اپنے والد صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ جو کھڑے ہیں، وہی میرے والد صاحب ہیں۔ راجہ صاحب نے جب ان کی طرف نگاہ کی تو وہ اس شان سے کھڑے تھے کہ ان کا پرانا بوسیدہ کمبل ان کے کندھے پر تھا اس پر لاٹھی تھی اور لاٹھی میں اپنے دونوں پیر کے جوتے لٹکا رکھے تھے اور کھڑے تماشہ دیکھ رہے۔ راجہ صاحب نے ان کو دیکھ کر کہا تیرا باپ تو بیوقوف معلوم ہوتا ہے، اس پر وزیر نے راجہ کو جواب دیا اور کتنا اچھا جواب دیا، کہا کہ: میرا باپ بیوقوف نہیں ہے بلکہ میرا دادا بیوقوف تھا، اس لئے کہ میرے والد صاحب کو میرے دادا نے تعلیم نہیں دلائی اس وجہ سے ان کے پیر کے جوتے ان کے کاندھے پر لاٹھی میں لٹکے ہوئے ہیں، اگر میرا باپ بیوقوف ہوتا تو میں آپ کے برابر کھڑے ہونے کے قابل ہرگز نہ ہوتا۔

فائدہ

حقیقتاً تعلیم انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے اور کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے، جس کا رات دن ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے والدین کو چاہئے کہ اپنے بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلائیں تاکہ آگے چل کر خوش حال اور باعزت زندگی گذار سکیں۔ بچوں کو اعلیٰ تعلیم نہ دلانا اور عمدہ تربیت نہ کرنا یہ والدین کی کمی ہے۔

☆☆☆☆
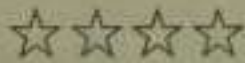
(۵)

روٹیاں تو دو ہی تھیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے، راستے میں ایک جاہل آپ کے ساتھ ہو گیا، حضرت عیسیٰ نے اس کو بہت سمجھایا کہ میرے ساتھ کہاں چل رہا ہے، تو الگ اپنا راستہ لے، لیکن وہ نہیں مانا، ہر چند منع کرنے پر بھی وہ ساتھ ہی ساتھ چلنے لگا۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر تو میرے ساتھ رہے گا تو میں جو کچھ کہوں گا تجھے ماننا ہوگا، اس جاہل نے کہا بے شک حضور آپ جو حکم دیں گے میں دل و جان سے اس پر عمل کروں گا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ نے اس کو ساتھ میں لے لیا چلتے چلتے ایک جنگل آیا وہاں پر حضرتؑ نے قیام فرمایا، کچھ دور ایک گاؤں نظر آ رہا تھا، اس جاہل سے آپؑ نے فرمایا دیکھو جو گاؤں نظر آ رہا ہے وہاں جاؤ اور گاؤں والوں سے کہو کہ ہم آپ کے مہمان ہیں اور دو آدمی ہیں، مہمان کی حیثیت سے ہمیں دو آدمی کا کھانا دے دو۔ حضرتؑ کے کہنے سے وہ

جاہل گیا اور جا کر گاؤں والوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو کہا تھا وہ کہہ دیا۔ گاؤں والوں نے تین روٹی باجرے کی دیدی۔ تین روٹی لے کر جب یہ جاہل چلا تو اس کے دل میں احساس ہوا کہ تین روٹی ہیں تو ڈیڑھ ہی روٹی مجھے ملے گی، ڈیڑھ روٹی سے تو میرا پیٹ بھرے گا نہیں، لہٰذا ایک روٹی راستے میں ہی کھا جاؤں اور دو روٹی لے کر جاؤں تو ایک روٹی وہ خود کھائیں گے اور ایک روٹی مجھے، دیکھے تو میری دو روٹی ہو جائے گی، پھر پتہ نہیں کب روٹی ملے گی وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ سوچ کر ایک روٹی راستے میں چلتے چلتے کھا گیا، تھا بھی سات فٹ کا لمبا چوڑا آدمی۔ جب حضرتؑ کے پاس پہنچا تو حضرت نے پوچھا کتنی روٹیاں ملی ہیں؟ اس جاہل نے جواب میں کہا کہ حضرت روٹی تو دو ہی ملی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اچھا بیٹھو اور جنگل کی طرف نظر کی تو ایک ریوڑ ہرن کا کھڑا تھا، اس میں سے ایک ہرن کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اللہ کے لئے میرے پاس آجا، ہرن آ کر آپ کے پاس کھڑا ہو گیا، آپ نے اس کو ذبح کیا اور اس کی ایک ٹانگ کاٹی اور آگ جلا کر اس کو بھونا، پھر ایک روٹی آپ نے لی اور ایک اس جاہل کو دی اور کہا کہ یہ گوشت ہے اس سے کھا لو۔ اب تو جاہل دل ہی دل میں پچھتانے لگا اور سوچنے لگا کہ راستے والی روٹی نہ کھاتا تو اچھا تھا، یہاں تو گوشت مل رہا ہے، لیکن اب تو کھا ہی چکا تھا، پھر پچھتانے سے کیا فائدہ۔ خیر اس جاہل نے بھی گوشت کھایا۔ جب دونوں کھانے سے فارغ ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس ذبح کئے ہوئے ہرن سے کہا اے ہرن تو اللہ کے واسطے زندہ ہو جا اور اپنے ریوڑ میں چلا جا۔ یہ کہتے ہی ہرن زندہ ہو گیا اور کان پھڑپھڑا کر وہ اپنے ریوڑ کی طرف چلتا ہو گیا۔ یہ نظارہ جاہل نے دیکھا تو حیران ہو گیا اور کہنے لگا: حضرت جی آپ تو اللہ کے ولی معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں اللہ کا ولی ہوں۔ جاہل نے کہا ایک جنگلی جانور آپ کے بلانے سے آپ کے پاس چلا آیا، آپ نے اس کو ذبح کیا، اس کی ران کاٹ کر آگ

میں بھونی، پھر ہم نے پیٹ بھر کر کھایا، اس کے بعد آپ کے کہنے سے وہ ہرن پھر سے زندہ ہو گیا اور اپنے ریوڑ میں چلا گیا۔ اب کیا شک رہ جاتا ہے کہ آپ اللہ کے ولی نہیں، آپ بالکل اللہ کے ولی ہیں۔ اب تو میں آپ کا ساتھ مرتے دم تک نہیں چھوڑوں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا تو مجھے دل سے ولی مانتا ہے یا صرف زبان سے؟ اس نے کہا حضرت جی میں تو دل سے مان گیا۔ حضرت نے فرمایا اگر تو مجھے دل سے مانتا ہے تو بتا روٹی کتنی تھی؟ اس پر اس نے جواب دیا: حضرت جی روٹی تو دو ہی تھیں۔ تیسری روٹی جسے اس نے کھا لیا تھا اس کا انکار کر دیا۔

حضرت وہاں سے پھر چلے، چلتے چلتے راستے میں ایک ندی آ گئی جس میں پانی بھرا ہوا تھا اور ان دونوں کو ندی کے دوسرے کنارے جانا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس جاہل سے کہا میرا جہاں پیر پڑے وہیں تم اپنا پیر رکھنا اور میرے پیچھے پیچھے چلے آنا، یہ کہہ کر حضرت پانی کے اوپر چل پڑے اور وہ جاہل وہیں کھڑے کھڑے حضرت کو دیکھتا رہ گیا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ واقعی یہ آدمی اللہ کا برگزیدہ بندہ ہے جو پانی پر چلا جا رہا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کچھ قدم چلنے کے بعد جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ جاہل وہیں ندی کے کنارے کھڑا تھا۔ حضرت نے فرمایا ارے وہیں کیوں کھڑے ہو، میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اس نے کہا حضرت جی میں تو پانی پر تیرنا نہیں جانتا، صرف ڈوبنا ہی جانتا ہوں اس لئے میں آپ کے ساتھ نہیں آ سکتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واپس لوٹے اور اسے اچھی طرح سمجھایا کہ تم بالکل ڈوبو گے نہیں، میرے قدم پر قدم رکھتے چلے آؤ۔ چنانچہ وہ بھی ندی پار ہو گیا۔ ندی پار ہو جانے کے بعد وہ اپنے دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ یہ عجیب انسان ہے جو پانی پر چل کر پار ہو گیا اور مجھے بھی چلا کر لے آیا۔ حضرت کے سامنے وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آپ بالکل اللہ کے سچے ولی ہیں۔ حضرت نے فرمایا تو نے کیسے جان لیا کہ میں اللہ کا ولی ہوں؟ تو جاہل نے کہا یہ پانی میرا خالہ زاد

بھائی نہیں ہے کہ ہم کو اپنے اوپر چلنے دے، لیکن آپ خود اس پانی پر چل کر پار ہو گئے اور مجھے بھی پانی پر چلا کر ندی کے پار کر دیا۔ اب بھی میں آپ کو ولی نہ مانوں ایسا بے ایمان تو میں ہر گز نہیں ہوں۔ حضرت نے فرمایا تو دل سے مجھے ولی مانتا ہے یا زبان سے؟ اس نے کہا حضرت جی اب تو میں دل سے مان گیا۔ حضرت نے فرمایا اچھا بتا روٹی کتنی تھی؟ اس نے کہا حضرت جی روٹی تو دو ہی تھیں، تیسری روٹی کا پھر انکار کر دیا حضرت وہاں سے پھر چلے، ایک بہت بڑا بھیانک جنگل آیا، وہاں سونے کی تین اینٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ انھیں دیکھتے ہی اس جاہل کے منہ میں پانی آ گیا کہ آدھا آدھا ملتے آیا ہے تو یہاں بھی آدھا ملے گا اس طرح ڈیڑھ اینٹ تو مجھے مل ہی جائے گی، اب اللہ والے کو چھوڑ دیا جائے اور ڈیڑھ اینٹ لے کر بال بچوں میں گھر چلیں۔ یہ سوچ کر اس جاہل نے حضرت عیسی علیہ السلام سے کہا حضرت جی یہ تین اینٹیں ہیں، ایک تو آپ لیں گے ایک مجھے دیں گے، یہ تیسری اینٹ جو ہے اس کا کیا ہوگا؟ ہمارے پاس اس کے کاٹنے کا کوئی انتظام تو ہے نہیں۔ حضرت نے فرمایا تیسری اینٹ کو کاٹنے کی کوئی ضرورت نہیں، ایک اینٹ ہم آپ کو دیں گے اور ایک اینٹ ہم لے لیں گے۔ یہ کہہ کر آپ خاموش ہو گئے۔ اس جاہل سے رہا نہ گیا اور بول پڑا کہ تیسری اینٹ کا کیا ہوگا؟ حضرت نے فرمایا یہ تیسری اینٹ اس کی ہے جس نے تیسری روٹی کھائی ہو۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا حضرت جی وہ تیسری روٹی تو میں نے ہی کھائی تھی، سونے کی اینٹ کی لالچ میں تیسری روٹی کھانے کا اقرار کر ہی لیا، حالاں کہ اب تک وہ یہی بتا رہا تھا۔ جب اس نے تیسری روٹی کا اقرار کر لیا تو حضرت نے فرمایا تینوں اینٹیں تو لے جا۔ یہ کہہ کر حضرت آگے چل پڑے۔

جاہل سوچنے لگا کہ تینوں اینٹیں گھر کیسے پہنچائی جائیں، وزن اس قدر تھا کہ صرف دو ہی اینٹیں اس سے اٹھ رہی تھیں اور تیسری کو چھوڑنے کے لئے دل تیار نہیں ہو رہا تھا۔ اس سوچ میں

کھڑا تھا کہ اتفاق سے تین ڈاکو آ گئے اور اس کے پاس سونے کی تین اینٹیں دیکھ کر اس کو قتل کر دیا اور ایک ایک اینٹ پر تینوں نے قبضہ کر لیا۔ پھر تینوں ڈاکو آپس میں سوچنے لگے کہ بڑی آسانی سے مال مل گیا، اب ہم میں سے کوئی آدمی قریب کے قصبہ میں جا کر ناشتہ وغیرہ لے آئے اور کھا پی کر پھر چلیں۔ چنانچہ ان تینوں میں سے ایک آدمی مٹھائی وغیرہ لینے کے لئے چلا گیا اور ان دو آدمیوں نے جو وہیں جنگل میں بیٹھے ہوئے تھے آپس میں مشورہ کر لیا کہ جب وہ مٹھائی وغیرہ لے کر آئے تو اس کی گردن ماردی جائے تاکہ تینوں اینٹیں ہماری ہو جائیں۔ ڈاکو تو مرتے ہی رہتے ہیں ہم سے کون پوچھے گا کہ وہ کہاں گیا اور اگر پوچھے گا بھی تو کہہ دیں گے کہ مارا گیا۔ ادھر جو مٹھائی لینے گیا تھا اس کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈال دی کہ اس میں زہر ملا کر لے جا، تا کہ وہ دونوں مر جائیں اور تینوں اینٹیں میری ہو جائیں، چنانچہ وہ وہیں سے زہر ملا کر مٹھائی لے آیا۔ جب مٹھائی لے کر جنگل میں پہنچا تو ان دونوں نے اس کی گردن ماردی اور وہ وہیں تڑپ کر مر گیا۔ پھر اطمینان سے دونوں مٹھائی کھانے بیٹھے، مٹھائی میں زہر ملا ہوا تھا۔ چنانچہ مٹھائی کھا کر وہ دونوں بھی وہیں ڈھیر ہو گئے۔

دوسرے دن حضرت عیسی علیہ السلام وہاں سے گزرے تو دیکھتے ہیں کہ تین سونے کی اینٹیں پڑی ہوئی ہیں اور چار لاشیں۔ یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر آپ نے فرمایا: یہ ہے دنیا!!

فائدہ

دنیا کی طلب اور حرص کیا کیا کراتی ہے اور کس انجام کو پہنچاتی ہے۔ یہ جاہل اللہ کے رسول حضرت عیسی علیہ السلام کے کئی معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اولاً آپ سے جھوٹ بولتا رہا، اس کے بعد سونے کی اینٹوں کی لالچ میں اقرار کیا، جب کہ یہی اینٹیں اس کے قتل کا سبب بنیں، اور خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف جن ڈاکوؤں نے ان اینٹوں کے لئے اس

کو قتل کیا ان کی بھی جان اسی کی طلب میں چلی گئی اور وہ اینٹیں وہیں کی وہیں پڑی رہ گئیں۔ کس
قدر عبرت کا مقام ہے دنیا میں جتنے جھگڑے، فساد، لڑائیاں اور قتل آئے دن ہوتے رہتے ہیں وہ
سب قریب قریب دنیا اور اسباب دنیا کے لئے ہی ہوتے ہیں۔ کسی کو قتل کرنے والا قتل کرکے
سمجھتا ہے کہ اب اطمینان کی زندگی گزاروں گا، لیکن اس کی تمنا پوری نہیں ہوتی اور کچھ دنوں کے
بعد وہ بھی دنیا سے چل دیتا ہے اور وہ دولت جس کے لئے دوسرے کو قتل
کیا تھا یا دھوکہ دے کر لے لیا تھا وہ دنیا ہی میں رہ جاتی ہے۔ بھلا آدمی وہ ہے جو اپنی اصلاح
کرے اور انبیاء کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ وما توفیقی الا باالله

☆☆☆☆

(۲)
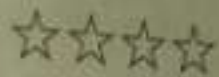
﴿جو سمجھانے سے نہ سمجھے اس سے خدا ہی سمجھے﴾

شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں اکثر وعظ اور نصیحت کے لئے علماء کرام بلائے جاتے ہیں۔ تو
ایک چھوٹا سا دیہات تھا وہاں کے لوگوں نے ایک بہت بڑے عالم کو بلایا، عالم صاحب عربی فارسی زیادہ
جانتے تھے اس وجہ سے اردو کے الفاظ کم استعمال کرتے تھے۔ عموماً یہ دیکھا بھی گیا ہے کہ زیادہ پڑھے
لکھے عالم صاحبان سادی عام فہم زبان میں بولنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔

لہٰذا جب تقریر شروع ہوئی تو وہ عالم صاحب اپنی تقریر میں عربی فارسی کے الفاظ زیادہ
استعمال کرنے لگے۔ دو تین گھنٹہ وعظ کہنے کے بعد مولوی صاحب نے کہا کیوں بھائی صاحب
آپ لوگ سمجھ گئے؟ دیہات کے آدمی تھے تقریر میں اونچے الفاظ ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں سمجھ پا

ئے تھے اس وجہ سے مارے شرم کے سب لوگوں نے خاموشی اختیار کرلی اور آپس میں مشورہ کیا
کہ کل بھی مولوی صاحب کو روک لیا جائے، حالاں کہ پروگرام صرف ایک دن کا ہی تھا لیکن بات
سمجھ میں نہ آنےکی وجہ سے روک لینے کا مشورہ ہوا۔ جماعت میں سے ایک آدمی نے کہا کہ کل بھی
مولوی صاحب یہی پوچھیں گے کہ سمجھ گئے؟ تو پھر اس کا جواب ہم کیا دیں گے؟ جماعت والوں
نے طے کرلیا کہ مولوی صاحب کے داہنے جانب بیٹھنے والے ہاں کہہ دیں کہ ہم سمجھ گئے اور
بائیں جانب بیٹھنے والے کہہ دیں کہ ہم نہیں سمجھ پائے۔ چنانچہ مولوی صاحب کو روک لیا گیا اور
دوسرے دن بھی اسی طریقے سے بیان ہوا، جس طرح پہلے دن ہوا تھا۔ وعظ ختم ہونے پر مولوی
صاحب نے کہا کیوں بھائی سمجھ گئے؟ جس طرح آخر میں کہنے کی عادت تھی۔ تو حسب پروگرام
داہنی جانب والوں نے کہا ہاں مولوی صاحب ہم سمجھ گئے اور بائیں جانب والوں نے کہا ہم تو
نہیں سمجھے۔ اس پر مولوی صاحب نے جواب میں کہا جو لوگ سمجھ گئے وہ نہ سمجھنے والوں کو سمجھا
دیں، یہ کہہ کر دعا مانگ لی۔

پھر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور مشورہ میں یہی طے پایا کہ مولوی صاحب کو
ایک دن کے لئے اور روک لو۔ لوگوں نے کہا کہ مولوی صاحب کو روک تو لیں اور مولوی صاحب
رک بھی جائیں گے لیکن مولوی صاحب وعظ کے بعد پھر پوچھیں گے کیوں بھائی سمجھ گئے؟ تو اس
کا جواب ہمارے پاس کیا ہوگا؟ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اگر مولوی صاحب کہیں کہ کیوں بھا
ئی سمجھ گئے تو جماعت میں سے ایک آدمی بھی ہاں نہ کہے تاکہ مولوی صاحب اور زیادہ سمجھا
ئیں۔ چنانچہ یہ بات طے ہوگئی اور مولوی صاحب کو تیسرے دن بھی روک لیا۔ تیسرے دن کی
تقریر ختم ہونے پر مولوی صاحب نے حسب معمول کہا: کیوں بھائی سمجھ گئے؟ اب ساری جماعت
میں سے کسی ایک آدمی نے بھی ہاں نہیں کہا سب کے سب خاموش بیٹھے رہے صرف ایک آدمی

نے کہا مولوی آپ کی تقریر کی کوئی بات پلے ہی نہیں پڑی، کوئی سمجھ نہیں پایا۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا: "جو سمجھانے سے نہ سمجھے اس سے خدا ہی سمجھے" یہ کہہ کر مولوی صاحب نے دعا مانگ لی اور جلسہ ختم ہوگیا۔

فائدہ

وعظ ونصیحت کرنا، وعظ کرانا اور سننا یہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کے کام ہیں، کوئی کھیل تماشہ نہیں ہیں وعظ کرنے والا دوسروں کو نصیحت کر رہا ہے لیکن خود عمل نہیں کرتا تو اس کے پاس قیامت کے دن کوئی جواب نہیں ہوگا اور وعظ کرانے والے بھی اگر عمل نہیں کریں گے تو ان سے بھی پوچھ ہوگی نیز وعظ سننے والوں سے بھی کہ دین کی بات سننے کے بعد تم لوگوں نے کیوں عمل نہیں کیا۔ وعظ کہنے والے کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ سامعین کا لحاظ رکھ کر ان کے معیار کے مطابق گفتگو کرے اور مقصد دین کی بات پہنچانا ہو نہ کہ اپنی قابلیت چھانٹنا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی بات صحیح طور پر کہنے، سننے اور عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆☆
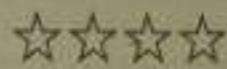
(۷)

﴿اس سے زیادہ بوجھ نہیں اٹھا پاؤں گی﴾

ایک قصبہ تھا وہاں کے لوگوں نے بہت بڑے جلسے کا انتظام کیا اور بہت ہی بڑے عالم

صاحب کو وعظ کے لئے بلایا۔ جس دن جلسہ تھا دور دور سے لوگ وعظ سننے کے لئے آرہے تھے۔ لوگوں نے ایک بوڑھی عورت سے کہا: امی جلسہ ہو رہا ہے، مولوی صاحب بیان کریں گے آپ وعظ سننے چلوگی؟ بڑھیا نے کہا ہاں چلوں گی۔ چنانچہ وہ بڑھیا بھی لوگوں کے ساتھ چل پڑی اور کنارے جا کر بیٹھ گئی۔ وعظ کے دوران مولوی صاحب نے ایک مسئلہ بیان کیا کہ سخت زمین پر پیشاب ہرگز نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ پیشاب کے چھینٹے جہاں جہاں پڑیں گے وہیں سے عذاب ہوگا اور آگ لگے گی، لھذا نرم زمین ہو یا ریتی اس جگہ پیشاب کروگے تو چھینٹوں کے عذاب سے بچ جاؤگے۔

پوری تقریر میں بڑھیا کو یہی ایک بات سمجھ میں آئی تو اس بڑھیا نے عذاب سے بچنے کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ جب کہیں باہر جانا ہوتا تو پانچ کیلو ریت اور بالو کا پوٹلہ باندھ کر ساتھ میں لے لیتی۔ جب پیشاب کرنے کی حاجت ہوتی تو اس پوٹلے میں سے تھوڑی سی ریت نکال کر زمین پر رکھتی اور پھر بڑے احتیاط سے اس ریت پر پیشاب کرتی تاکہ چھینٹیں اڑ کر پیروں پر نہ پڑیں۔ اسی طرح بڑھیا کو ایک سال گذر گیا اور پانچ کیلو ریت کا پوٹلہ ڈھوتے ڈھوتے اس کے ناک میں دم ہوگیا۔

دوسرے سال لوگوں نے پھر جلسے کا اہتمام کیا اور دور دور سے لوگ آنے لگے۔ اتفاق سے پھر بڑھیا سے کسی نے پوچھا: امی چلوگی وعظ سننے؟ جو اگلے سال مولوی صاحب آئے تھے وہی پھر آئے ہیں۔ تو بڑھیا نے کہا: گئے سال وعظ سنی تھی تو پانچ کیلو ریت کا پوٹلہ سر پر آگیا، اب اس سے زیادہ وزن مجھ سے نہیں اٹھ پائے گا۔

فائدہ

اللہ رب العزت کی ذات سے کیا بعید اسے اس بڑھیا کا یہی عمل پسند آگیا ہو اور اس کی

مغفرت کے لئے یہی کافی ہوگیا ہو۔ جو لوگ وعظ ونصیحت کی مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور
دین کی باتیں سنتے ہیں کاش کہ سب میں عمل کا یہی جذبہ پیدا ہو جاتا۔

☆☆☆☆
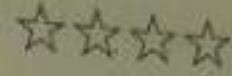
(۸)

اس نے تو ہریجن کے کنویں کا پانی پیا ہے

ایک زمانہ تھا جب ہریجن جماعت کو بہت ہی حقیر سمجھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کے رہنے کا
محلہ قصبے سے دور ہوتا تھا، پانی پینے کا کنواں الگ ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ پانچ آدمی سفر
میں جا رہے تھے، راستے میں پیاس نے بہت ستایا، گرمی کا موسم تھا، اتفاق سے ہریجن جماعت کا
کنواں آگیا تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ چلو سب کے سب اس کنویں کا پانی پی
لیں اور سب مل کر عہد کریں کہ یہ بات کسی دوسرے سے نہ کہیں گے کہ ہم نے ہریجن کے
کنویں کا پانی پیا ہے۔ پانچ آدمیوں میں سے چار متفق ہوگئے ایک آدمی نے کہا میں تو ہرگز نہیں
پیوں گا یہ کہہ کر چل دیا۔ چار آدمیوں نے اس کنویں سے پانی نکالا اور پیا، اس کے بعد چلے۔
جس کے یہاں مہمان بن کر جا رہے تھے اس کے گھر پانی نہ پینے والا آدمی پہلے پہنچ گیا اور ان چار
آدمیوں کی بات کہہ دی کہ ان لوگوں نے ہریجن کے کنویں کا پانی پیا ہے۔ ہریجن کے کنویں کا پانی
پینا ان کے مذہب کے بالکل خلاف تھا۔ میزبان نے کہا اگر ایسا ہے تو ہم ان کو اپنے گھر میں نہیں
آنے دیں گے، کچھ دیر کے بعد وہ چار آدمی جنھوں نے ہریجن کے کنویں کا پانی پیا تھا وہ بھی آگئے

جیسے ہی گھر میں گھسے تو دیکھا کہ وہ آدمی جس نے ہریجن کے کنویں کا پانی نہیں پیا تھا چارپائی کے
اوپر بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھا ہوا تھا، یہ چاروں آدمی ایک آواز ہو کر بول اٹھے اور میزبان سے
کہا اس آدمی کو اپنے گھر میں کیوں بٹھایا ہے اس نے تو ہریجن کے کنویں کا پانی پیا ہے۔ اس نے
کہا میں نے نہیں بلکہ ان لوگوں نے پیا ہے۔ آخر یہ ہوا کہ وہ چار آدمی سچے سمجھے گئے اور اس ایک
آدمی کو جو سچا تھا جھوٹا قرار دے کر گھر سے نکال دیا گیا اور یہ چاروں بڑی
شان سے میزبان کے گھر چارپائی کے اوپر جا کر بیٹھ گئے۔

فائدہ

یہی حالت ہر جگہ ہوگئی ہے کہ سچے اور حق پرست کم ہیں اور جھوٹے، مکار دغاباز، چور
اور ڈاکو زیادہ۔ سچوں اور حق پرستوں کو بیوقوف، ذلیل اور حقیر سمجھا جانے لگا ہے۔ اس کے
بالمقابل جھوٹے، مکاروں اور ڈاکوؤں کو عزت دی جانے لگی ہے اور انھیں عقل مند و دانا گردانا جا
نے لگا ہے۔ رب ذوالجلال ہی اس غلط سوچ کو بدل سکتا ہے۔

☆☆☆☆
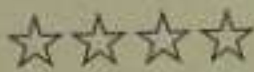
(۹)

منّی لال بنیا وہابی ہو گیا ہے

ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، اس میں زیادہ تر مسلمان رہتے تھے۔ اس قصبہ میں ایک خاندان
بنئے کا بھی تھا اس کی دوکان قصبہ ہی میں تھی اور قصبہ میں یہ ایک ہی دوکان تھی دیہاتوں

میں رواج ہوتا ہے کہ دوکان سے ضرورت کا سامان کھانے پینے کا آپ کو جو چاہیے مل جاتا ہے
اور اس کا پیسہ نقد نہیں دینا پڑتا بلکہ ایک سال کے بعد جب غلہ کی فصل آتی ہے اس وقت اس بنیے
کو سال بھر کے خریدے ہوئے سامان کے بدلے غلہ دیدیا جاتا ہے قصبہ والے قریب قریب
سب ہی اس طرح کا لین دین کرتے ہیں۔ ایسے گاؤں میں جو امام نماز پڑھانے کے لئے رکھا
جاتا ہے اس کو بھی غلہ کے موسم میں جماعت کی طرف سے غلہ ہی دیا جاتا ہے، وہی اس کی تنخواہ
ہوتی ہے نقد رقم نہیں دی جاتی۔ تو جس طرح سے قصبہ والے بنیے سے لین دین کرتے ہیں اسی
طرح سے، وہاں کے امام صاحب بھی بنیے سے سامان وغیرہ لیتے رہتے ہیں اور جب فصل کے
موقعہ پر ان کو غلہ ملتا ہے تو وہ بھی بنیے کو غلہ ادا کر دیتے ہیں۔

ایک سال امام صاحب کے اوپر کچھ قرض زیادہ ہو گیا اس وجہ سے وہ بنیے کو پورا غلہ نہیں
دے سکے، بنیے نے امام صاحب سے سخت تقاضہ کیا اور آئندہ کے لئے سامان دینا بند کر دیا۔ یہ
بات مولوی صاحب کو بہت کھلی اور سوچنے لگے کہ بنیے سے جان چھڑانے کے لئے
کیا ترکیب کی جائے اس نے ایک بات اپنے دل میں سوچی اور جمعہ کی نماز سے پہلے امام
صاحب نے جماعت کی طرف مخاطب ہو کر کہا: آپ صاحبان بہت ہی بھولے بھالے ہیں،
دین کی کچھ خبر نہیں ہے۔ کیا آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ آپ لوگوں کو دین سے ہٹانے کے لئے
ہمارے قصبہ میں کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں؟ یہ متی لال بنیا وہابی ہو گیا ہے اور وہابیوں سے ملا
ہوا ہے، اس لئے اس سے بات چیت کرنا اور اس کے یہاں لین دین کرنا حرام ہے۔ قصبے
اور دیہات کے لوگ بہت ہی بھولے قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ امام صاحب کا یہ اعلان سن کر
سب کے سب چونک اٹھے اور آپس میں کہنے لگے: ہمارے قصبے میں بھی وہابی کے قدم آ گئے۔
چنانچہ سب جماعت والوں نے اس بنیے کے یہاں لین دین بند کر دیا۔ دو چار دن ہو گئے۔ جب

قصبے کا کوئی آدمی سودا لینے کے لئے نہیں آیا تو بنیے کا ایک مخصوص چاہنے والا مسلمان دوست تھا اس
کے یہاں رات کو بارہ بجے متی لال بنیا گیا اور دوکان پر لوگوں کے نہ آنے کا سبب پوچھا تو اس نے
جواب دیا کہ تیرا عقیدہ خراب ہو گیا ہے اور تیرے اوپر وہابیت کا اثر آ گیا ہے۔ اسلئے آپ سے ہم
لوگ سودا بالکل نہیں خریدیں گے۔ متی لال نے کہا بھائی میرے میں وہابیت کا اثر آ گیا ہے یہ آپ
صاحبوں سے کس نے کہا؟ اس نے کہا ہمارے امام صاحب نے بتایا۔

متی لال بنیا تھا بڑا سمجھدار وہ سمجھ گیا کہ میں نے مولوی صاحب سے جو قرض ادا کرنے
کے لئے سختی سے تقاضا کیا تھا اسی وجہ سے اس نے ایسی بات بنائی ہے۔ چنانچہ دوسری ہی رات کو
بارہ بجے متی لال ڈھیر سا کھانے پینے کا سامان ایک ٹوکرے میں رکھ کر مولوی صاحب کے گھر پہنچا
اور آہستہ سے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی تو اندر سے آواز آئی کہ کون ہے؟ متی لال نے آہستہ
سے جواب دیا کہ آپ کا خادم متی لال۔ مولوی صاحب گئے کہ بیٹا پھنسا ہے تو آیا ہے۔ مولوی
صاحب نے دروازہ کھولا تو متی لال نے ان کی خدمت میں مال سے بھرا ہوا ٹوکرا پیش
کر دیا اور کہا کہ آپ ذرا سی بات پر ہم سے ناراض ہو گئے۔ جو رقم آپ کے اوپر قرض تھی اس کو ہم
نے معاف کر دیا اور آئندہ جب کوئی ضرورت ہو تو یہ آپ ہی کی دوکان ہے، جو چاہیں جتنا چاہیں
لے جائیں ہم آپ سے کبھی تقاضہ نہیں کریں گے۔ آپ جماعت والوں سے کہہ دیں کہ وہ میری
دوکان سے لین دین چالو رکھیں۔ مولوی صاحب نے کہا متی لال تم بالکل مت گھبراؤ، آنے والے
جمعہ کو میں کہہ دوں گا۔ بنیا مہا چالاک ہوتا ہے، اس نے سوچا کہ ایک مولوی صاحب کو بھلے مفت
دینا پڑے، یہ رقم تو ہم دوسروں سے وصول کر لیں گے۔

دوسرا جمعہ آیا تو مولوی صاحب جماعت کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا: اے مسلمانو! خوش
ہو جاؤ میں نے اللہ تعالیٰ سے رات رات بھر رو کر، گڑگڑا کر دعائیں مانگیں الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا

قبول کرلی، وہ خوش خبری یہ ہے کہ منی لال بنیے نے وہابیت سے توبہ کرلی اور اہل سنت والجماعت میں ہو گیا۔ اللہ کا بہت بڑا کرم ہو گیا کہ ہمارا قصبہ وہابیت سے پاک ہو گیا۔ لہٰذا اس اعلان کے بعد آپ لوگ جس طرح پہلے منی لال سے لین دین کرتے تھے اسی طرح شروع کردیں۔

فائدہ

مولویانہ لباس میں دنیاداروں نے اپنی دنیا بنانے کے لئے نہ جانے کس کس طرح قوم کو گمراہ کیا۔ کبھی چالیسویں کے نام پر روپے وصول کئے تو کبھی فاتحہ خوانی کے نام پر، کبھی مزاروں پر چادریں چڑھوائیں تو کبھی سجدہ کروایا۔ اگر کسی نے اس پر نکیر کی تو اسے دیوبندی، وہابی یا کافر کہ کر مطعون کیا گیا، جماعت سے نکال دیا گیا اور ستایا گیا۔ مستزاد اس پر یہ کہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہنے پر اصرار۔ اللہ رب العزت بچائے اس گمراہی سے۔ (آمین)

☆☆☆☆

(۱۰)

﴿ گیدڑ کا سرٹیفکٹ ﴾

ایک گیدڑ تھا اس کو چھپے ہوئے کاغذ کا ایک ٹکڑا کہیں سے مل گیا وہ کاغذ کے ٹکڑے کو لیکر جنگل میں پہنچا اور سب گیدڑوں کو جمع کر کے کہنے لگا کہ ہم کو حکومت کی طرف سے یہ سند ملی ہے، یعنی سرٹیفکٹ۔ اب ہم کہیں بھی کسی قصبہ یا گاؤں میں جائیں ہم کو کتے نہیں بھونکیں گے۔ دوسرے گیدڑوں نے کہا ہم کو کیسے یقین آئے کہ ہمیں کتے نہیں بھونکیں گے۔ تو اس گیدڑ نے کہا

یہ میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے تم کو یقین نہیں آتا تو اس سند کو پڑھ لو جو ہم کو حکومت کی طرف سے ملی ہے۔ دوسرے گیدڑوں نے کہا کہ ہم پڑھنا نہیں جانتے۔ اس گیدڑ نے کہا اگر آپ صاحبان پڑھنا نہیں جانتے تو میری بات پر یقین کرلو۔ چنانچہ سب گیدڑوں نے اس کی سند پر یقین کرلیا اور سب مل کر پورا ریوڑ کا ریوڑ ایک قصبے کی طرف روانہ ہوا، جب قصبہ قریب آ گیا اور کتوں کی نظر گیدڑوں پر پڑی تو پورے قصبے کے کتے ان گیدڑوں کی طرف دوڑ پڑے،

کتوں کو دیکھ کر گیدڑوں میں بھگدڑ مچ گئی اور جس گیدڑ کے پاس سند تھی وہ سب سے آگے آگے بھاگا جا رہا تھا۔ پیچھے پیچھے آنے والے گیدڑوں نے اس سند والے گیدڑ سے کہا ارے بھائی ٹھہر جا اور اپنی سند ان کتوں کو دکھا دے۔ تو سند والا گیدڑ بھاگتے بھاگتے کہنے لگا تم سب بھاگتے رہو، یہ کتے جو پیچھے آرہے ہیں وہ سب کے سب تمہاری ہی طرح ان پڑھ ہیں ان میں کوئی بھی پڑھا لکھا نہیں ہے۔

فائدہ

ہمارے ملک ہندوستان میں بریلوی فرقہ کے گیدڑ جیسی سند رکھنے والے مولویوں کا یہی حال ہے، خود کچھ پڑھے لکھے نہیں ہیں، کسی طرح کہیں سے سند حاصل کر لیتے ہیں پھر جبہ دستار باندھ کر اسٹیجوں پر بیٹھ جاتے ہیں اور قوم کو غلط باتیں بتا کر جھگڑے فساد کراتے ہیں، تفرقہ ڈالتے ہیں۔ اور جب قوم میں سے کوئی عقل مند آدمی کہتا ہے کہ مولانا صاحب آپ کی یہ باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، ایسا نہ ہوگا؟ تو کہتا ہے کہ تمہیں کیا معلوم تم پڑھے لکھے تو ہو نہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ دیوبندیوں کی کتابیں کفریات سے بھری پڑی ہیں۔ اس لیے انھیں ہاتھ بھی مت لگا

بچے گا اور نہ ان کے علماء کی باتیں سنے گا ورنہ کافر ہو جاؤ گے۔ الغرض پڑھے لکھے نہ ہونے کی
وجہ سے خود بھی صحیح بات نہیں بتا پاتے اور نہ پڑھے لکھے لوگوں سے ملنے دیتے
ہیں کہ صحیح بات معلوم کر سکیں۔ چنانچہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور قوم کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اللہ
بچائے اس گمراہی سے۔ (آمین)

☆☆☆☆
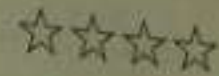
(۱۱)

﴿تیلی کا بیل﴾

ایک آدمی بہت بڑا سائنس داں تھا، سائنسی تحقیق کے سلسلے میں کسی سفر پر تھا، راستے
میں ایک قصبہ آیا وہاں اس نے دیکھا کہ ایک کولہو چل رہا ہے اور لکڑی کے ستون میں سے تیل نکل
رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اسے بڑا تعجب ہوا، سوچنے لگا کہ یہ کیسی مشین ہے؟ کولہو میں جو بیل چل رہا تھا
اس کے گلے میں گھنٹی بندھی ہوئی تھی، سائنس داں نے تیلی سے پوچھا کہ اس بیل کے گلے میں
گھنٹی کیوں باندھ رکھی ہے۔ تیلی نے جواب دیا ہم کبھی گھر چلے جاتے ہیں یا کسی گراہک سے
بات کرنے لگتے ہیں تو بیل چلتے چلتے کبھی کھڑا ہو جاتا ہے، تو گھنٹی بجنا بند ہو جاتی ہے۔ جس سے
ہم سمجھ جاتے ہیں کہ بیل رک گیا ہے چل نہیں رہا ہے، تو ہم دوری سے آواز دیتے ہیں چل چل
ہٹ ہٹ تو وہ پھر چلنے لگتا ہے۔ سائنس داں نے کہا اگر بیل چلے نہیں اور کھڑے کھڑے صرف
اپنا سر ہلاتا رہے، جس کی وجہ سے گھنٹی بجتی رہے تو پھر کیا ہوگا؟ اس تیلی نے کتنا اچھا جواب
دیا، تیلی بولا محترم یہ آپ کے جتنا پڑھا لکھا نہیں ہے ورنہ یہ بھی کرتا۔ اس طرح کی حرکتیں اور بے

ایمانیاں زیادہ تر پڑھے لکھے لوگ ہی کرتے ہیں۔

فائدہ

مذہبی جھگڑے ہوں یا سیاسی اکثر اس کے بانی مبانی پڑھے لکھے لوگ ہی ہوتے
ہیں۔ اسی طرح دجل، فریب، دھوکہ دہی اور نفاق بھی اکثر پڑھے لکھے لوگوں ہی میں پایا جاتا
ہے۔ جاہل آدمی اکثر سیدھا سادہ اور بھولا بھالا ہوتا ہے۔ اسی لئے اکابر فرماتے ہیں کہ پڑھنے
کے بعد کسی شیخ کامل سے وابستہ ہو کر روحانی بیماریوں کا علاج کرا لینا چاہئے تاکہ صلاح اور ورع
پیدا ہو جائے اور دل اخلاق رذیلہ سے پاک ہو کر اخلاق حمیدہ سے متصف ہو جائے۔

☆☆☆☆
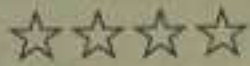
(۱۲)

﴿کنویں کا مینڈک﴾

ایک مرتبہ بارش بہت ہوئی، دریا میں سیلاب آ گیا، جس کی وجہ سے پانی اوپر بہنے لگا،
ایک کنواں تھا سیلاب کا پانی اس میں گرنے لگا، اتفاق سے اس پانی کے ساتھ دریا کا ایک مینڈک
اس کنویں میں گر گیا کنویں کے اندر جو مینڈک تھے سب جمع ہو گئے اور اس دریا کے مینڈک سے
پوچھنے لگے تو کہاں کا رہنے والا ہے۔ مینڈک نے جواب دیا میں دریا کا رہنے والا ہوں۔ کنویں
کے مینڈکوں نے پوچھا دریا کیا چیز ہے؟ دریا کے مینڈک نے کہا: دریا بہت بڑا ہوتا ہے۔ کنویں
کے ایک مینڈک نے ایک کدڑی ماری اور کہا اتنا بڑا ہوتا ہے؟ اس نے کہا وہ

تو بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس مینڈک نے دوسری کُدّی ماری اور کہا اتنا بڑا ہوتا ہے؟ دریا کے مینڈک نے کہا دریا تو بے حساب بڑا ہوتا ہے۔ کنویں کے مینڈک نے پھر تیسری کُدّی ماری تو کنویں کے دوسرے کنارے پہنچ گیا اور دریا کے مینڈک سے پوچھا اس سے بھی بڑا ہوتا ہے؟ دریا کے مینڈک نے کہا دریا اس قدر بڑا ہوتا ہے کہ ہم اس کی لمبائی چوڑائی کا حساب نہیں لگا سکتے۔ یہ بات سن کر سب مینڈک ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ مینڈک وہابی معلوم ہوتا ہے، ہمارے باپ دادا نے اتنا بڑا دریا نہیں دیکھا جبھی تو بتا رہا ہے۔

فائدہ

بہت سے جاہلوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دین کے نام پر بدعات وخرافات کرتے رہتے ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ کام کرنا صحیح نہیں ہے، بدعت ہے، شرک ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے دادا بابا کو یہی کرتے دیکھا۔ اس لئے ہم آپ کی بات نہیں مان سکتے۔ حالاں کہ ان کے باپ دادا بھی جاہل تھے اور یہ خود بھی۔ دین کی کچھ بھی معلومات نہیں ہوتی اس کے باوجود عقلی گھوڑے دوڑاتے ہیں اور دلیل پکڑتے ہیں۔

جب کہ دین کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کے سامنے عام لوگوں کی مثال کنویں کے مینڈک سے زیادہ نہیں۔

اس لئے عوام کو چاہئے کہ راسخ فی العلم علماء سے دین کی رہنمائی حاصل کیا کریں نہ کہ دادا بابا کے قول وعمل سے۔ اللہ تعالیٰ صحیح طریقے سے دین پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)

☆☆☆☆
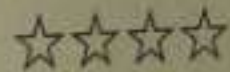
(۱۳)

﴿اس قبرستان کے مردوں سے مجھے شرم آتی ہے﴾

ایک حکیم صاحب تھے، وہ جب بھی قبرستان میں فاتحہ پڑھنے کے لئے جاتے تو اپنے منہ پر نقاب ڈال کر جاتے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا حکیم صاحب آپ شہر میں ہر جگہ آتے جاتے ہیں لیکن میں نے آپ کو نقاب ڈالے ہوئے کبھی نہیں دیکھا اور جب آپ قبرستان میں فاتحہ پڑھنے کو جاتے ہیں تو نقاب ڈال کر جاتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ حکیم صاحب نے جواب دیا اس قبرستان میں جتنے لوگ دفن ہیں وہ قریب قریب میرے ہی علاج سے مرے ہیں، مجھے ان سے شرم آتی ہے اس لئے میں نقاب ڈال کر فاتحہ پڑھنے آتا ہوں کہ یہ لوگ مجھے پہچان نہ لیں۔

فائدہ

قیامت کے دن یہی حال ان علماء اور قائدین کا ہوگا جنھوں نے اپنے دنیاوی مقاصد کی خاطر لوگوں کو گمراہ کیا اور پیسہ لے کر غلط مسئلے بتلائے۔ قیامت کے دن ان کا سر شرم سے جھکا ہوگا اور ان لوگوں سے چہرہ چھپائے پھریں گے جنھیں گمراہ کیا تھا۔ قیامت کی ہولناکیوں سے اللہ ذوالجلال حفاظت فرمائے (آمین)

☆☆☆☆

(۱۴)
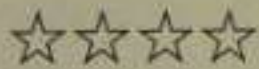
پرانے چاند سے اللہ تعالیٰ ستارے بناتا ہے

ایک قصبہ تھا اس میں ایک ہی مسجد تھی، اس مسجد میں ایک مولوی صاحب کو امامت کے لئے رکھا تھا مگر وہ مولوی بڑا شرارتی تھا، قصبے کے لوگ سمجھ دار تھے اس لئے اسے امامت سے ہٹا دیا اور دوسرے ایک پرہیزگار عالم کو لا کر امام بنا دیا۔ پہلے والا مولوی بعد میں آنے والے امام صاحب سے بہت چڑھتا تھا۔ اس کو بے عزت کرنے کے پہلو ہر وقت سوچتا رہتا تھا۔ چنانچہ امام صاحب کو بدنام کرنے کے لئے ایک روز ایک آدمی کو ایک مسئلہ سمجھا کر پوچھنے کے لئے بھیجا اور جس آدمی کو بھیجا تھا وہ بھی اڑیل قسم کا تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر مہینے نیا چاند نکالتا ہے تو پرانے چاند کو کہاں رکھتا ہے؟ جاہلوں کو اس قسم کے مشغلوں میں بڑا مزہ آتا ہے، چنانچہ وہ امام صاحب کے پاس گیا اور کہا امام صاحب آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، امام صاحب نے کہا پوچھو کیا پوچھنا ہے۔ اس نے کہا ہر مہینے اللہ تعالیٰ نیا چاند نکالتا ہے تو پرانا چاند کہاں رکھتا ہے؟ امام صاحب سمجھ گئے کہ یہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ پہلے مولوی کی شرارت ہے۔ امام صاحب نے کہا یہ مسئلہ ذرا غور طلب ہے لہٰذا کتاب دیکھنی پڑے گی، کل میں کتاب دیکھ کر جواب دوں گا۔ بات ٹالنے کے لئے اس طرح کا جواب دے دیا اس لئے کہ یہ کوئی مسئلہ تو تھا نہیں۔ اب بیچارے امام صاحب کیا کریں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے لگے کہ باری تعالیٰ یہ فسادی ہے اور اس کا بنیادی مقصد فساد کرنا ہے لہٰذا اس سے میری حفاظت فرما، عزت آبرو تیرے ہاتھ میں ہے تو ہی لاج رکھنے والا ہے۔ اس کا گڑگڑانا اللہ تعالیٰ کو پسند آ گیا اور بچاؤ کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بنا دیا۔ دوسرے دن وہ جاہل مسئلہ پوچھنے کے لئے مولوی صاحب کے پاس جا رہا تھا تو راستے

میں اس کا ایک دوست ملا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا مولوی پھنس گیا ہے، اس سے کل ایک مسئلہ پوچھا تھا تو اس نے آج بلایا ہے۔ اس کے دوست نے کہا ارے تجھے مسئلے کی ضرورت کب سے پڑ گئی، نماز روزے سے تو تجھے مطلب نہیں چلا ہے مسئلہ پوچھنے، مسئلہ چھوڑ اور میرے ساتھ چل سنیما دیکھنے، تیرے مسئلے کا جواب تو میں خود دے دوں گا۔

اس نے کہا مولوی صاحب تو میرے مسئلے کا جواب دے نہیں سکے بھلا تو کیا جواب دے گا۔ اس کے دوست نے کہا اگر تیرے مسئلے کا جواب میں دے دوں تو سنیما کے ٹکٹ اور ناشتے پانی کا سب خرچ تو دے گا اور اگر جواب نہیں دے سکا تو سب خرچ میں دوں گا۔ دونوں میں شرط منظور ہو گئی، اب اس کے دوست نے کہا بتا تیرا مسئلہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ ہر مہینے اللہ تعالیٰ نیا چاند نکالتا ہے تو پرانا چاند کہاں رکھتا ہے۔ اس کے دوست نے کہا بس اتنی سی بات ہے جس کی وجہ سے تو کہتا ہے کہ میرے مسئلہ میں مولوی پھنس گیا ہے اور سیدھے سادے مولوی کو پریشان کر رہا ہے۔ تیرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جو چاند پرانا ہو جاتا ہے وہ بہت پتلا اور باریک ہو جاتا ہے تو اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اللہ تعالیٰ ستارے بناتا ہے۔ یہ آسمان پر جو چمک رہے ہیں وہ کیا ہیں چاند کے باریک باریک ٹکڑے ہی تو ہیں۔ اس کے جواب سے وہ مطمئن ہو گیا اور ناشتے پانی کا سارا خرچ برداشت کیا۔

فائدہ

دنیادار اور غلط قسم کے مولوی اگر کسی علاقے میں پہنچ جاتے ہیں تو پوری جماعت میں انتشار پیدا کر دیتے ہیں۔ اس لئے غلطی سے اگر کسی ایسے آدمی کا تقرر ہو جائے تو فوراً اسے چلتا کر دینا چاہئے اور اس کی جگہ کسی صالح آدمی کا تقرر کر لینا چاہئے۔

☆☆☆☆

(۱۵)

جسے بُرا سمجھا تھا وہی اچھا تھا

دس آدمی ایک ساتھ کسی کام سے کہیں جا رہے تھے، راستے میں بارش ہونے لگی اور بجلی بڑے زور و شور سے چمکنے لگی، ایسا معلوم ہونے لگا کہ بجلی سب کو جلا کر خاک کر دے گی انھیں میں سے ایک آدمی نے کہا سب لوگ ٹھہر جاؤ چنانچہ سب ٹھہر گئے۔ بجلی اس طرح چمک رہی تھی کہ سب لوگ ڈرنے لگے۔ قریب میں ایک درخت تھا ایک آدمی نے کہا یہ بجلی ہم لوگوں میں سے کسی ایک آدمی پر گرنا چاہتی ہے اور کہیں اس ایک آدمی کی وجہ ہم سب لوگ تباہ نہ ہو جائیں، لہذا سامنے جو درخت نظر آ رہا ہے اس درخت کو ایک ایک آدمی چھو کر واپس آ جائیں، جس پر گرنی ہوگی گر جائے گی بقیہ نو آدمی تو بچ جائیں گے۔

اس مشورہ کو سب لوگوں نے قبول کر لیا دس آدمیوں میں سے ایک چلا اور اس درخت کو چھو کر واپس آ گیا اس کے بعد دوسرا گیا پھر تیسرا گیا گویا نو آدمی اس درخت کو چھو کر واپس آ گئے لیکن کسی کے اوپر بجلی نہیں گری صرف ایک آدمی بچا تھا اس کو یقین ہو گیا کہ یہ بجلی مجھ ہی پر گرے گی۔ چنانچہ یہاں نو آدمیوں کے سامنے جو درخت چھو کر واپس آ گئے تھے رونے لگا اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا بھائی صاحب اب تو یقین ہو گیا کہ یہ بجلی میرے اوپر ہی گرے گی۔ آپ صاحبان اپنے حلقے میں میرا گھیراؤ کر کے میرے گھر تک مجھے پہنچا دیجئے تاکہ اپنے بیوی بچوں کو کچھ نصیحت و وصیت کر دوں۔ دوسرے لوگوں نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو گا، جس طرح ہم ایک ایک ہو کر اس درخت کو چھو کر واپس آ گئے اسی طرح تجھے بھی اس درخت کو چھونے کے لئے جانا ہوگا۔ ہم تیرا گھیراؤ کر کے لے جائیں اور کہیں بجلی گر پڑے تو تیری وجہ سے ہم لوگ بھی ہلاک ہو جائیں اس لئے اس درخت کو چھونے کے لئے تمہیں تنہا ہی جانا ہوگا۔ وہ آدمی بہت گڑگڑایا لیکن

کسی نے اس کی بات نہیں مانی۔ مجبوراً وہ بھی درخت کو چھونے کے لئے ڈرتے ڈرتے آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے چلا کہ بجلی اب گری تب گری۔ چند قدم ہی چلا تھا کہ وہ بجلی ان نو آدمیوں پر گر پڑی جو درخت چھو کر آ چکے تھے اور سب کے سب اسی جگہ جل کر راکھ ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کو دس میں سے ایک آدمی کو بچانا تھا اس طرح سبب بنا کر اس کو بچا لیا۔ نو آدمی اس ایک آدمی کے طفیل بچ رہے تھے، لیکن ان کو یہ احساس تھا کہ ہمارے طفیل میں یہ آدمی بچ رہا ہے، اس وجہ سے اس کے رونے کے باوجود بھی اس کی درخواست قبول نہیں کی۔

فائدہ

قریب قریب ہر آدمی اپنے آپ کو اچھا اور دوسروں کو بُرا سمجھتا ہے۔ لیکن اچھا کون ہے اور بُرا کون؟ اسے اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔ اس لئے ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے اور دوسروں کو بُرا کہنے یا سمجھنے سے پرہیز کرنا چاہیے نیز اپنے خاتمہ بالخیر کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعائیں مانگتے رہنا چاہیے۔

☆☆☆☆

(۱۶)

کسی کو مٹا کر بڑا ہونا کمال نہیں

ایک استاذ اسکول میں بچوں کو پڑھا رہے تھے، استاذ نے ایک دفعہ سب بچوں کو جمع کیا اور بلیک بورڈ کے اوپر ایک لکیر کھینچی، پھر بچوں سے کہا اس کو چھوٹی کر دو۔ سب بچے سوچنے

لگے یہ لکیر چھوٹی کیسے ہو سکتی ہے۔ ایک بچے نے اٹھ کر اس لکیر کو تھوڑی سی مٹانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تاکہ تھوڑی سی مٹ جانے سے وہ چھوٹی ہو جائے تو استاذ نے کہا بیٹا مٹاؤ نہیں، بغیر مٹائے چھوٹی کرو۔ سب بچے سوچنے لگے بغیر مٹائے کیسے چھوٹی ہو سکتی ہے۔ ایک بچے کی سمجھ میں آ گیا وہ اٹھا اور استاذ کی کھینچی ہوئی لکیر کے اوپر ایک بڑی لکیر کھینچ دی اور استاذ سے کہا اب تو آپ کی لکیر بغیر مٹائے چھوٹی ہو گئی۔

اس کے بعد سب بچوں کو نصیحت کرتے ہوئے استاذ نے فرمایا: دیکھو بچو آج تم لوگ چھوٹے ہو کل انشاء اللہ تعالیٰ بڑے ہو کر طاقت ور اور پاور فل ہو جاؤ گے، اس وقت میری اس بات کو یاد رکھنا کہ کسی کو مٹا کر بڑا ہونا کوئی کمال نہیں بلکہ اپنی ذات میں ایسے کمال پیدا کرو کہ دنیا والے خود بخود آپ کو بڑا سمجھنے لگیں۔

فائدہ

دنیا میں جس قدر فتنہ و فساد برپا ہے اس کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب دوسروں کو نیچا دکھانے کا عمومی جذبہ بھی ہے۔ کاش لوگ اس نصیحت کو اپنا لیتے تو معاشرے کی بہت سی برائیاں ختم ہو جاتیں۔

☆☆☆☆
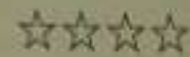
(۱۷)

﴿میں تو نواب ہوں میں کیوں پٹوں گا﴾

تین آدمی شکار کھیلنے کی نیت سے جنگل میں گئے تھے۔ ایک نواب صاحب تھے، دوسرے مولوی صاحب اور تیسرا حجام تھا۔ شکار کی تلاش میں گھومتے گھامتے شام ہو گئی لیکن ایک بھی شکار نہیں ملا، البتہ تینوں بھوک سے بے حال ہو گئے۔ گھر لوٹنے لگے تو راستے میں ایک کھیت ملا جس میں مونگ پھلی بوئی ہوئی تھی، دانے بھی اس میں آ چکے تھے، تینوں نے اس کھیت کو غنیمت سمجھا اور اس کے پودے اکھاڑ اکھاڑ کر مونگ پھلی کھانے لگے۔

اتفاق سے کھیت کا مالک آ گیا، دیکھا یہ تینوں مونگ پھلی کے دانے بڑے مزے سے کھا رہے ہیں۔ اس نے سوچا یہ تین آدمی ہیں اور میں اکیلا ہوں، ایک ساتھ تینوں کو مار نہیں سکتا لھذا تینوں کو مارنے کی کوئی ترکیب نکالنی چاہئے۔ چنانچہ وہ تینوں کے پاس گیا اور پہلے نواب صاحب سے پوچھا آپ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نواب صاحب ہوں۔ کھیت والے نے کہا آپ نے مونگ پھلی کے دانے کھا تو بھلے ہی کھائے آپ تو ہمارے نواب صاحب ہیں۔ پھر مولوی صاحب کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ آپ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے کہا میں عالم ہوں اور نواب صاحب کے یہاں امامت کرتا ہوں۔ کھیت والے نے کہا آپ نے مونگ پھلی کے دانے کھائے تو بھلے ہی کھائے آپ تو ہمارے امام صاحب ہیں۔ پھر تیسرے کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے کہا میں حجام ہوں، کھیت والے نے کہا اے حجام تو نے میرے کھیت کی مونگ پھلی کیوں کھائی، یہ کہہ کر اس کو مارنے لگا۔ جب اس کے اوپر مار پڑ رہی تھی تو نواب صاحب اور مولوی صاحب دونوں کھڑے ہنس رہے تھے۔ حجام کو بڑا صدمہ ہوا کہ یہ لوگ میری مدد تو کر نہیں

رہے بلکہ اوپر سے ہنس رہے ہیں۔ اس نے دل میں سوچا کہ اگر ان لوگوں کو بھی دو چار جوتے
پڑ جائیں تو بہت ہی اچھا ہو۔ کھیت والا حجام کو مارنے کے بعد مولوی صاحب کی طرف مخاطب ہوا اور
کہا اب حرام خور امام ہوتے ہوئے بھی بغیر اجازت کے میرے کھیت کی مونگ پھلی کھانے کی
ہمت کیسے کی، تجھے شرم نہیں آئی یہ کہہ کر اس کو بھی مارنے لگا۔ حجام بہت خوش ہوا کہ اچھا ہوا اس کا
بھی دماغ ٹھیک ہوگیا۔ جب دونوں کو مار پڑ رہی تھی تو نواب صاحب کھڑے ہنس رہے تھے اور یہ سوچ
رہے تھے کہ میں تو نواب صاحب ہوں میرے اوپر تو مار پڑے گی نہیں۔ دونوں کو مارنے کے بعد اب
نواب صاحب سے مخاطب ہوا اور کہا کہ اے نواب یہ کوئی تیرے باپ کا کھیت ہے، جو تو نے بغیر
اجازت اس کھیت سے مونگ پھلی کے دانے کھائے یہ کہہ کر نواب صاحب کی دھنائی شروع کر
دی۔ جب نواب صاحب پر پڑنے لگی تو حجام اور مولوی صاحب دونوں ہنس نے لگے۔ چنانچہ ان
تینوں کی نااتفاقی کی وجہ سے ایک آدمی نے تینوں کی خوب پٹائی کی۔ اگر ان لوگوں میں اتفاق ہوتا تو
ایک آدمی تین آدمیوں کی پٹائی ہرگز نہیں کرسکتا تھا۔

فائدہ

اتحاد واتفاق بہت بڑی نعمت ہے۔ آپسی اتحاد کے ذریعہ بڑے سے بڑے دشمن کا
مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ انتشار و تشتت آدمی کی طاقت کو توڑ کر ذلیل و رسوا کر دیتا ہے۔ آج
امت مسلمہ جس کسمپرسی اور بے بسی کا شکار ہے اس میں بہت بڑا دخل اس کے مختلف
فرقوں میں منقسم ہونے کا بھی ہے۔ کوئی دیوبندی ہے، کوئی غیر مقلد، تو کوئی بریلوی۔ جبکہ اسلام
دشمن طاقتیں ان کے خلاف متحد ہیں۔ کاش کہ کلمے کی بنیاد پر تمام مسلمان ایک ہوجاتے اور متحد ہوکر
دفاع کی کوشش کرتے تو ہوسکتا تھا کہ اس قعر مذلت سے نکل آتے جس میں پڑے ہوئے ہیں۔

☆☆☆☆

(۱۸)

جوتے بھی کھائے اور سو روپے بھی دیئے

ایک آدمی تھا اس سے کوئی غلطی ہوگئی جو گاؤں والوں کی نظر میں بہت بڑی تھی۔ چنانچہ
گاؤں والوں نے پنچایت جمع کی۔ پنچایت والوں نے جرمانہ یہ طے کیا کہ ایک سو روپے جرمانہ
دے، یا ایک سو جوتے کھائے، یا ایک سو اوسط درجے کی پیاز کھائے۔ اس آدمی نے پیاز کھانا
قبول کرلیا۔ چنانچہ گاؤں والوں نے ایک سو پیاز گن کر اس کے سامنے رکھ دی۔ جب وہ پیاز
کھانے لگا تو مشکل سے بیس پچیس ہی کھایا ہوگا کہ آنکھوں سے اور ناک سے پانی کا دھارا بہنے
لگا اب وہ بہت پس و پیش میں پڑا کہ کیا کریں تو اس نے کہا کہ سو جوتے مارلو۔ جوتا مارنے کے
لئے پنچایت والوں میں سے ایک جوان کھڑا ہوا اور جوان بھی تھا چھ سات فٹ کا، جوتا بھی ایسا تھا
کہ ایک پاؤ تو اس میں کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔ اس جوتے سے جو مار پڑنے لگی تو قریبا دس پندرہ
جوتے پڑے ہوں گے کہ اس کی کھوپڑی خراب ہوگئی اور کہنے لگا بس بس جوتے نہ مارو برداشت
کے باہر ہے یہ سو روپے جرمانہ لے لو۔

فائدہ

اگر یہ شخص پہلے ہی سو روپے جرمانا دے دیا ہوتا تو یہ نوبت ہرگز نہ آتی کہ پیاز بھی کھائی
، جوتے کی مار بھی سہی اور سو روپے بطور جرمانا بھی دیئے۔ ایک انسان کے لیے بروقت فیصلہ کی
صلاحیت بہت ضروری ہے، ورنہ ہر طرح سے گھاٹے میں رہتا ہے۔

☆☆☆☆

(١٩)

﴿پھر پُھر، پھر پُھر﴾

ایک بادشاہ تھا اس کو مذاق کرنے کی عادت تھی۔ اس نے اپنے پورے ملک میں یہ اعلان کرادیا کہ جو کوئی مجھے پوری کہانی سنائے گا اسے دس ہزار روپے انعام دیں گے۔ یہ اعلان سن کر کہانیاں بنا بنا کر انعام کے لالچ میں بادشاہ کے پاس پہنچے گے۔ کہانی سنانے والا جب آتا تو بادشاہ مع درباریوں کے کہانی سنتا اور بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ کہانی سنتا جاتا اور پھر پھر کرتا رہتا۔ اس کے پھر پھر کہنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ابھی کہانی ختم نہیں ہوئی، اس لئے میں انعام کیوں دوں، کہانی کہنے والے تنگ آکر واپس چلے جاتے۔ بادشاہ کی پھر پھر کی بات پورے ملک میں مشہور ہوگئی کہ بادشاہ سلامت انعام تو دیتے نہیں صرف پھر پھر کرتے رہتے ہیں اور کہانی سنانے والوں کو بیوقوف بناتے ہیں۔ ایک دیہاتی نے جب بادشاہ کی یہ پھر پھر کی بات سنی تو اس نے ایک کہانی بنائی اور کے پاس گیا۔ بادشاہ نے اس کو بھرے دربار میں میں بلایا اور کہانی سنانے کی اجازت دی۔ درباری بادشاہ کے اس پھر پھر کے طرز عمل سے بہت خوش ہوتے تھے اور کہانی سنانے والوں کو بیوقوف بناتے تھے۔ جب اس دیہاتی کو کہانی سنانے کی اجازت مل گئی تو اس نے کہانی سنانی شروع کردی اور کہنے لگا:

بادشاہ سلامت ایک بہت بڑا جنگل تھا، بادشاہ نے کہا پھر، دیہاتی نے کہا وہاں بہت بڑی نہر تھی، بادشاہ نے کہا پھر، دیہاتی نے کہا بہت گھنے گھنے درخت تھے، بادشاہ نے کہا پھر، دیہاتی نے کہا اس جنگل میں پرندے بہت رہتے تھے، بادشاہ نے کہا پھر، دیہاتی نے کہا ان پرندوں نے اس جنگل میں گھونسلے بنائے اور اس میں انڈے دیئے، بادشاہ نے کہا پھر، دیہاتی نے کہا ان

انڈوں میں بچے پیدا ہو گئے اور اُڑنے کے قابل ہو گئے، بادشاہ نے کہا پھر، دیہاتی نے کہا پُھر، یعنی پُھر کرکے اُڑ گئے، اب جب بادشاہ کہتا پھر، تو دیہاتی کہتا پُھر۔ گھنٹوں دیہاتی اور بادشاہ میں پھر پُھر، پھر پُھر چلتا رہا، آخر بادشاہ تنگ آگیا اور دیہاتی سے کہنے لگا تیرا پُھر کب ختم ہوگا، دیہاتی نے جواب دیا کہ حضور آپ اپنا پھر ختم کیجئے اور میرا انعام دیجئے تو میرا پُھر ختم ہوجائے گا ورنہ گھنٹوں پُھر پُھر کرکے پورے جنگل کے پرندوں کو اڑاتا رہوں گا۔ بادشاہ اپنے پھر سے عاجز آگیا اور مجبور ہوکر دیہاتی کو انعام دیدیا اور دونوں کے پھر پُھر ختم ہوگئے۔

فائدہ

ہمارے آپسی جھگڑے اسی وقت ختم ہوسکتے ہیں جب ہم ضد اضدی چھوڑ کر حق بات کو سچے دل سے قبول کرلیں۔ ورنہ پھر پُھر کی طرح آپسی رنجشیں اور قتل وقتال قیامت تک چلتے رہیں گے، خاندان کے خاندان تباہ وبرباد ہوجائیں گے مگر جنگ ختم نہیں ہوگی۔

☆☆☆☆

(٢٠)
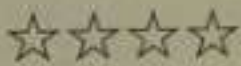
﴿مومن کا کام بھلائی کرنا اور بچھو کا ڈنک مارنا﴾

ایک بزرگ تھے وہ تفریح کے لئے نکلے اور کچھ دور جاکر نہر کے کنارے بیٹھ گئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بچھو پانی میں بہتا ہوا جارہا ہے۔ ان بزرگ کو اس پر رحم آگیا چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر ہتھیلی پر اٹھا کر پانی سے باہر پھینک دیں۔ جیسے ہی بچھو کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس

نے ڈنک ماردیا اور ہتھیلی سے پانی میں پھر گر گیا۔ وہ بزرگ بہت ہی رحم دل تھے انھوں نے سو
چا کہ بچھو نہیں سمجھتا کہ میں اس کے ساتھ بھلائی کر رہا ہوں لیکن میں تو سمجھتا ہوں۔ یہ سوچ کر انھو
ں نے دوبارہ اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا اور بہت ہی پھرتی سے اس بچھو کو پانی سے نکال کر باہر پھینک
دیا۔ بچھو کو تو بچالیا لیکن بچھو نے جو ڈنک مارا تھا اس کی وجہ سے تکلیف ہونے لگی تو مریدین جو
ساتھ میں تھے کہنے لگے حضرت آپ نے اس کو پانی سے کیوں نکالا، جب کہ آپ جانتے ہیں کہ
یہ جانور ڈنک مارنے والا ہے اس کو بچانے کی کیا ضرورت تھی، ڈوب رہا تھا تو ڈوبنے دیتے؟ ان
بزرگ نے کیا ہی عمدہ جواب دیا "بھائی میرے: بچھو اپنی عادت سے مجبور تھا اور میں اپنی عادت
سے مجبور تھا۔

فائدہ

بچھو کو کسی سے عداوت یا دشمنی نہیں ہوتی، اس کے دل میں کینہ نہیں ہوتا پھر بھی ڈنک مار
دیتا ہے۔ اسی طرح جو بچھو کی صفت والے انسان ہیں ان سے آپ چاہے جتنی بھی بھلائی
کریں وہ ڈنک مار ہی دیتے ہیں۔ بھلے بھلائی کا دامن نہیں چھوڑتے اور بُرے بُرائی کا۔ اسلئے
نیک لوگوں کو بھلائی کرتے رہنا چاہئے، خواہ لوگ بھلائی کا بدلہ بُرائی سے دیں۔ نیکی کر دریا میں
ڈال کا مصداق ہونا چاہئے، دنیا میں اس کا کوئی بدلہ دے یا نہ دے اللہ رب العزت ضرور بدلہ
دیں گے۔

☆☆☆☆

(٢١)
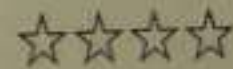
اللہ جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے

ایک بادشاہ تھا کسی وجہ سے اس کی انگلی کٹ گئی۔ اس نے دربار میں آکر وزیر سے کہا
وزیر آج میری انگلی کٹ گئی۔ وزیر نے کہا اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے وہ اچھا کرتا ہے۔ وزیر کی یہ بات
سن کر بادشاہ کو بُرا لگا۔ بادشاہ کہنے لگا میری انگلی کٹ گئی اس کو تم کہہ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ
اچھا کیا۔ وزیر نے جواب دیا بادشاہ سلامت اپنی سمجھ میں کوئی بات آئے یا نہ آئے یہ الگ بات
ہے مگر اللہ تعالیٰ جو کرتا ہے وہ اچھا ہی کرتا ہے۔ اس جواب سے بادشاہ بہت خفا ہوا اور وزیر سے کہا
ہم تم کو وزارت سے خارج کرتے ہیں۔ یہ بھی سن کر وزیر نے کہا یہ بھی اللہ تعالیٰ نے اچھا کیا کہ
آپ نے مجھ کو نوکری سے ہٹا دیا۔ وزیر کے یہ الفاظ سن کر بادشاہ نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس وزیر
کا دماغ خراب ہو گیا ہے، میں نے اس کو نوکری سے ہٹا دیا پھر بھی کہتا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ نے
اچھا کیا۔ وزیر ملازمت سے علاحدہ ہو کر اپنے گھر رہنے لگا، یہ ایک نیک دل انسان تھا اللہ کے
اوپر پورا توکل رکھتا تھا کہ روزی دینے والا وہی ہے کہیں نہ کہیں سے اسباب پیدا کر دے گا۔

کچھ عرصہ بعد بادشاہ شکار کھیلنے جنگل گیا، ساتھ میں امیر امراء سپاہی بھی تھے۔ اتفاق
سے ایک شکار کے پیچھے بادشاہ نے اپنا گھوڑا دوڑا دیا، شکار بھاگتا ہوا بھیانک جنگل کے اندر پہنچ
گیا۔ بادشاہ بھی اس کے پیچھے اپنا گھوڑا تیزی سے دوڑاتے ہوئے اسی بھیانک جنگل میں گھس
گیا، امیر امراء، اور جو سپاہی ساتھ میں تھے سب پیچھے رہ گئے۔ بادشاہ ان لوگوں کی نظروں سے
غائب ہو گیا اور جس جانور کے پیچھے بادشاہ نے گھوڑا دوڑایا تھا وہ بھی اسی جنگل میں غائب ہو گیا
بادشاہ مایوس ہو کر واپس لوٹنے لگا، اتفاق سے اسی جنگل میں جنگلی آدمیوں کی ایک ٹولی آگئی اور

انھوں نے بادشاہ کو پکڑ لیا۔ بادشاہ تنہا تھا اس وجہ سے ان جنگلی آدمیوں کا مقابلہ کرنہیں سکتا تھا۔ ان
جنگلی آدمیوں کو اپنے دیوی دیوتا کو ایک آدمی بھینٹ چڑھانا تھا، اس لئے بہت خوش ہوئے اور
ناچنے گانے لگے کہ بغیر تلاش کے آدمی مل گیا۔

جب بھینٹ چڑھانے کی باری آئی تو جنگلی آدمیوں کے سردار نے کہا کہ پہلے اس
آدمی کے جسم کو تو دیکھو کہ اس میں کوئی عیب تو نہیں ہے۔ کہیں کٹا پٹا تو نہیں ہے؟ چنانچہ بدن کا
ایک ایک حصہ دیکھنے لگے تو دیکھا کہ ایک انگلی کٹی ہوئی ہے، انھوں نے اپنے سردار کو اطلاع دی
کہ ایک انگلی کٹی ہوئی ہے۔ سردار نے کہا: پھر یہ تو دیوتا پر بھینٹ نہیں چڑھ سکتا، اس لئے اس کو
چھوڑ دو۔ اس وقت بادشاہ کو احساس ہوا کہ جو کچھ اللہ تعالی کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔

گھر پہنچنے کے بعد دوسرے دن وزیر کو بلایا، دربار لگا ہوا تھا، وزیر سے کہا تم نے جو بات
کہی تھی کہ اللہ تعالی جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے، بالکل صحیح ہے۔ وزیر نے دریافت کیا حضور میری
اس بات پر کیسے یقین آ گیا۔ اس پر بادشاہ سلامت نے اپنے شکار کی پوری کہانی سنائی اور کہا کہ
اگر میری انگلی کٹی ہوئی نہ ہوتی تو جنگلی لوگ مجھے بھینٹ چڑھا دیے ہوتے۔ مگر تیری یہ بات
میری سمجھ میں نہیں آئی اور میں نے تجھے نوکری سے برخاست کر دیا، پھر بھی تم نے یہی کہا کہ اللہ
تعالی جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ وزیر نے جواب دیا حضور جب آپ شکار کو گئے اور اس وقت
بندہ اگر آپ کے یہاں ملازم ہوتا تو یہ بھی آپ کے ساتھ ہوتا اور وہ جنگلی آدمی آپ کو چھوڑ کر
مجھے بھینٹ چڑھا دیتے۔ بادشاہ نے کہا تم نے جو کہا بالکل سچ کہا کہ اللہ تعالی جو کرتا ہے اچھا ہی
کرتا ہے۔ اور اب تم اپنی نوکری پر واپس آ جاؤ۔

فائدہ

یہ بالکل سچ ہے کہ اللہ تعالی جو کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ اگرچہ بعض مرتبہ بندہ اس کی
مصلحت کو نہیں سمجھتا اور معترض ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆

(٢٢)
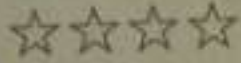
تیری تو زندگی بیکار ہے

کسی ملک میں ایک بہت بڑی کانفرنس تھی، بڑے بڑے ماہر فن لوگوں کو بلایا گیا
تھا، راستہ میں سمندر پڑتا تھا اس وجہ سے پانی کے جہاز میں بیٹھ کر لوگ سفر کر رہے تھے۔ معمولی سردی
تھی، ایک روز صبح میں جب سورج کی کرنیں نکلیں تو ماہرین فن حضرات اپنی اپنی کرسیاں لے
کر دھوپ کھانے کے لئے اوپر بیٹھ گئے اور آپس میں اپنے اپنے فن کی باتیں کرنے لگے، ہر فن والا
اپنے فن کی بڑائی بیان کرتا۔ اتفاق سے جہاز چلانے والا ملاح بھی ان لوگوں کی باتیں سننے کے لئے
ایک کنارے آ کر بیٹھ گیا۔ ان لوگوں کو مذاق سوجھی چنانچہ ایک نے ملاح سے پوچھا آپ عربی فارسی
بھی کچھ جانتے ہیں؟ ملاح نے کہا نہیں صاحب میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ پوچھنے والے نے کہا میں
تو مفتی ہوں، تیری تو زندگی بیکار ہے، تو کچھ ہی نہیں۔ دوسرے نے ملاح سے پوچھا آپ انگلش
وغیرہ کچھ جانتے ہیں؟ ملاح نے کہا نہیں صاحب میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔ پوچھنے والے نے کہا میں
تو ایم۔ اے ہوں، تو کچھ نہیں جانتا تیری تو زندگی بیکار ہے، اسی طرح کسی نے کہا میں سرجن ہوں، کسی

نے کہا میں بیرسٹر ہوں، کسی نے کہا میں مجسٹریٹ ہوں، کسی نے کہا میں انجینئر ہوں، کسی نے کہا میں سائنس داں ہوں، اسی طرح وہ لوگ اپنی اپنی ڈگریاں اس ملاح سے بتا رہے تھے اور وہ ملاح ان سب کے جواب میں یہی کہتا رہا کہ میں تو کچھ نہیں جانتا۔ اتفاق سے پچھلی دوپہر کو سمندر میں طوفان آ گیا اور جہاز کے ڈوبنے کی نوبت آ گئی۔ اب ملاح ان ماہرین فن اور بڑی بڑی ڈگری والوں سے کہنے لگا اے بھائی صاحبان آپ حضرات پانی میں تیرنا بھی جانتے ہیں یا نہیں؟ اب جہاز ڈوبنے ہی والا ہے افسوس کہ اب آپ سب لوگوں کی زندگی بیکار ہے، آپ لوگ کچھ نہیں جانتے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتنے میں ایک موج آئی اور جہاز کو ڈبو کر چلی گئی۔ جتنے بھی اس میں سند اور ڈگریاں والے تھے سب کے سب ڈوب گئے اور ملاح تیرتے تیرتے کنارے پہنچ گیا وہاں کچھ مچھیرے اس کی مدد کے لئے مل گئے، ان مچھیروں کی مدد سے کچھ دنوں کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو صحیح سلامت گھر پہنچا دیا۔

فائدہ

نظام کائنات چلانے کے لئے اللہ رب العزت نے ہر ہر انسان کو الگ الگ فن اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ دنیا کی مثال انجن جیسی ہے اور انسان اس کے کل پرزے کی طرح ہے، اگر ایک پرزہ بھی خراب ہو جائے تو انجن بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو ملاح بنایا، کسی کو لوہار، کسی کو بڑھئی، کسی کو انجینئر اور کسی کو عالم، ہر ایک کا اپنا الگ میدان ہے اور ہر ایک کی اپنی مستقل حیثیت۔ ان میں سے ایک بھی اگر ختم ہو جائے تو دوسرے تمام متاثر ہو جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس کو جو چیز بھی عنایت کی ہے نعمت سمجھ کر اس کا شکر کرنا چاہئے اور دوسروں کو جو عنایت فرمایا ہے وہ بھی چونکہ ہمارے ہی نفع کے لئے ہے اس لئے اس کی قدر کرنا چاہئے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو ذلیل، ذلت کی بات ہے۔

(۲۳)

نیکوں کے ساتھ نیکی کر بدکردار کو اس کا فعل ہی ڈبو دے گا

ایک آدمی تھا وہ بادشاہ کے دربار میں روزانہ سب کے سامنے کھڑے ہو کر کہتا تھا ''نیکوں کے ساتھ نیکی کر بدکردار کو تو اس کا فعل ہی ڈبو دیتا ہے''۔ روز مرہ اس کا یہ کہنا بادشاہ کو بہت پسند تھا اور اس کہنے والے سے بادشاہ بہت پیار کرتا تھا۔ بادشاہ کے وزیروں میں سے ایک وزیر حاسد تھا وہ اس کہنے والے سے بہت جلتا تھا اور اس سوچ میں رہتا تھا کہ اس کو کس طرح ذلیل کیا جائے۔ ایک دن اس نے بادشاہ سے کہا جو شخص آپ کے دربار میں روزانہ اعلان کرتا ہے اور آپ اس سے بہت خوش ہیں وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ بادشاہ کے قریب جا کر جب ہم باتیں کرتے ہیں تو بادشاہ کے منہ سے بہت ہی بُری بدبو آتی ہے۔ بادشاہ نے کہا اس کی دلیل کیا ہے؟ تو حاسد نے کہا: کل صبح جب وہ دربار میں آئے تو آپ اس کو اپنے پاس بات چیت کرنے کیلئے بلالیں، جب آپ اس سے باتیں کرینگے تو وہ ضرور اپنے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ لے گا۔ بادشاہ نے کہا اچھا کل ہم اس کو بلا کر اس بات کا جائزہ لیں گے، وہ حاسد بادشاہ کو سمجھا کر اس آدمی کے پاس گیا اور کہا کل صبح ہم اور آپ ساتھ میں ناشتہ کریں گے پھر ساتھ ساتھ دربار چلیں گے۔ اس نے اس کی دعوت قبول کر لی، صبح کو وہ حاسد اس آدمی کو بلا کر اپنے گھر ناشتہ کرانے کے لیے لے گیا اور ناشتے میں زیادہ تر کچا لہسن اور کچی پیاز کھلائی اس نیت سے کہ جب بادشاہ اس کو اپنے پاس بلائیں گے تو یہ اپنے منہ پر ہاتھ یقیناً رکھ لے گا اور میری بات صحیح ہو جائے گی۔ یہ سب کچھ اس نے اس کی عزت گرانے کے لیے کیا۔ بادشاہ نے جب اسے اپنے پاس بلایا اور بات چیت کرنے کے لیے بیٹھا تو اس آدمی نے اپنے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔ بادشاہ کو یقین آ گیا

کہ اس (حاسد) نے جو بات کہی تھی سچ ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک خط لکھا اس کے اوپر مہر لگائی پھر لفافے میں بند کر کے اس سے کہا کہ فلاں وزیر کو جا کر یہ خط دے آؤ۔ خط لے کر جب وہ چلا تو وہ حاسد آدمی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، نیز وہ بادشاہ کی عادتوں سے واقف تھا کہ بادشاہ سلامت جب کسی کو اس طرح مہر لگا کر کوئی کاغذ وغیرہ دیتے ہیں تو اس میں انعام ہی انعام ہوتا ہے۔ اس حاسد کو بڑا رنج ہوا کہ اسے تو میں نے رسوا کرنا چاہا اور یہ انعام پا رہا ہے، چنانچہ اس حاسد نے خط لے جانے والے سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت نے یہ خط فلاں آدمی کو دینے کے لئے کہا ہے وہی دینے جا رہا ہوں حاسد نے کہا میں وہیں جا رہا ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے دے دیں میں پہنچا دوں گا۔ چنانچہ اس نے وہ خط اسے دیدیا اور کہا خط پہنچانا مقصود ہے چاہے میں لے جاؤں یا آپ۔ حاسد نے سوچا کہ اس خط میں انعام کے علاوہ اور کچھ ہوگا نہیں لہذا اگر خط لے کر میں گیا تو یہ انعام مجھے مل جائے گا اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔ یہ کچھ کر وہ خط لے کر چلا اور جنہیں دینا تھا انہیں لے جا کر دے دیا۔ جب وزیر نے خط کھولا تو اس میں لکھا تھا "خط لانے والے کی گردن اُڑا دی جائے"۔ یہ الفاظ سن کر حاسد گھبرایا اور کہنے لگا رے میں نہیں ہوں وہ تو دوسرا آدمی ہے، جس کو خط دیا گیا ہے۔ وزیر نے کہا اس خط میں لکھا ہے کہ خط لے کر آنے والے کی گردن اُڑا دی جائے، دوسرے تیسرے کی بات اس خط میں نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے حاسد کی گردن اُڑا دی۔

دوسرے دن صبح دربار شاہی میں روز مرّہ بولنے والا آدمی پھر وہی لفظ بول رہا تھا "نیکوں کے ساتھ نیکی کر، بدکردار کو اس کا فعل ہی ڈبو دے گا"۔ بادشاہ کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا اور کہا کل تو خط دینے نہیں گیا۔ اس نے کہا حضور فلاں وزیر نے کہا کہ میں وہیں جا رہا ہوں اگر آپ مناسب سمجھیں تو خط مجھے دے دیں میں پہنچادوں گا، تو میں نے دے دیا۔ درحقیقت آپ کا

خط پہنچانا مقصود تھا چاہے میں لے جاتا یا کوئی اور۔ بادشاہ سوچ میں پڑ گیا اور اس بولنے والے کو بلا کر کہا تو نے فلاں وزیر کو یہ کہا تھا کہ بادشاہ سلامت سے جب بات چیت کرتے ہیں تو ان کے منہ سے بہت ہی بُری بدبو آتی ہے۔ اس بولنے والے نے کہا حضور میں نے تو ایسا نہیں کہا تھا۔ بادشاہ نے کہا میں نے تجھے بات چیت کے لئے قریب بلایا تو تو نے اپنے منھ اور ناک پر ہاتھ کیوں رکھا تھا۔ اس نے جواب دیا حضور جو وزیر آپ کا خط لے کر گیا اس نے مجھے ناشتے کی دعوت دی اور اس میں زیادہ تر کچی پیاز اور کچا لہسن ہی کھلایا، اس کے بعد الائچی، لونگ وغیرہ کچھ بھی نہیں دیا جس کی وجہ سے میرے منھ سے بدبو آ رہی تھی، اس لئے میں نے اپنے منھ پر ہاتھ رکھ لیا تھا تا کہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔ بادشاہ نے کہا جو ہوا ٹھیک ہی ہوا اور آپ روز آنہ جو الفاظ بولا کرتے تھے وہی بولا کریں۔

فائدہ

مثل مشہور ہے کہ جو شخص دوسرے کے لئے گڑھا کھودتا ہے اس میں خود ہی گرتا ہے، یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو کسی سے حسد کرتے ہیں اور اسے ذلیل و رسوا کرنے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں، انجام کار خود ہی ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔ اسلام میں حسد کرنے سے روکا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے: "**لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا**" (بخاری: ۸۹۶/۲) ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، غیبت نہ کرو اور سب اللہ کے بندے بھائی بن جاؤ۔

☆☆☆☆

(۲۴)
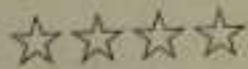
آپ کو شہید کردوں تا کہ جنت میں چلے جائیں

ایک عالم صاحب مدرسہ چلا رہے تھے، اس مدرسے سے ہر سال لڑکے عالم، حافظ اور قاری کی سند حاصل کر کے نکلتے تھے۔ ایک سال اس مدرسے سے بہت لڑکے فارغ ہوئے تو ہر لڑکا اپنے استاذ کے لئے کچھ نہ کچھ تحفہ ہدیہ لے کر آرہا تھا ان سب لڑکوں میں ایک خان صاحب کا لڑکا بھی فارغ ہوا تھا۔ اس کے پاس استاذ صاحب کو ہدیہ تحفہ دینے کے لئے پیسہ نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے، سوچتے سوچتے اس کے دل میں ایک بات آئی کہ کیوں نہ استاذ محترم کو شہید کر دیا جائے، شہید کا مرتبہ اللہ تبارک وتعالی کے یہاں بہت بلند ہے، اس سے اچھا اور عمدہ تحفہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ سب سے اچھی بات یہ ہوگی کہ استاذ صاحب شہادت کے اونچے درجے پر پہنچ جانے کی وجہ سے بے حساب وکتاب جنت کے اونچے درجے پر پہنچ جائیں گے، جہاں طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ یہ سوچ کر چھری تیز کی تا کہ ایک ہی وار میں استاذ محترم کا بیڑا پار ہو جائے۔

بہر حال چھری لے کر استاذ صاحب کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: حضرت جی سب لڑکے آپ کو ہدیہ تحفہ لا لا کر دے رہے ہیں اور میرے پاس کچھ ہے نہیں کہ میں آپ کو ہدیہ تحفہ وغیرہ دے سکوں، لہذا میرے دل میں ایک بات آئی ہے اس میں آپ کی کیا رائے ہے، استاذ نے خان صاحب کے لڑکے سے پوچھا: کیا سوچ کر آئے ہو؟ اس نے کہا میں کچھ ہدیہ تحفہ تو آپ کو دے نہیں سکا، البتہ یہ چھری میری کمر میں ہے یہ کہہ کر اس خان کے بچے نے کمر سے چھری نکالی اور کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ کو شہید کردوں تا کہ آپ بے حساب وکتاب جنت میں چلے جائیں

۔ اس خان صاحب کے بچے کے ہاتھ میں چمکتی ہوئی تیز چھری دیکھ کر اور اس کی بات سن کر استاذ صاحب کے بدن میں کپکپی آ گئی کہ کیا کریں۔ فوراً استاذ کے دماغ نے کام کیا اور اس خان صاحب کے بچے سے کہنے لگے بیٹا! آپ نے بہت ہی اچھا سوچا ہے، تم یہاں بیٹھو تا کہ میں وضو کرلوں، بے وضو شہید ہونا مناسب نہیں ہے۔ خان صاحب کے بچے کو بہت خوشی ہوئی کہ استاذ نے مشورے کو قبول کرلیا ہے۔ یہ سمجھ کر وہ اطمینان سے استاذ کے کمرے میں بیٹھ گیا۔ استاذ کمرے سے وضو کرنے کے بہانے سے باہر نکلے اور بہت پھرتی سے کمرے کی کنڈی باہر سے بند کردی اور لوگوں کو آواز دے کر بلالیا۔ جب بہت سے لوگ جمع ہو گئے تو مولوی صاحب نے اس خان کی بات اور مقصد لوگوں کو بتایا کہ اس کو سمجھاؤ ورنہ مجھے شہید کر دے گا۔

فائدہ

پٹھانوں کی سمجھ بوجھ اور ان کے بے عقلی کے کام ہمیشہ ہمارے دیار میں ضرب المثل رہے ہیں۔ یہ بھولے بھالے، انتہائی بہادر اور عقل کے موٹے ہوتے ہیں، مصلحت اندیشی اور نفاق سے ان کا دل پاک ہوتا ہے۔ جس چیز کو بھی درست سمجھتے ہیں اس کے لئے جان دینے اور لینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یہ واقعہ تو ایک ایسے پٹھان کا ہے جو عقل سے کورا تھا، لیکن اگر آپ معاشرہ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آج کل ایسا ہی دور چل رہا ہے کہ لوگ احسان کا بدلہ ظلم سے دے رہے ہیں۔ اللھم احفظنا منہ

☆☆☆☆

(۲۵)
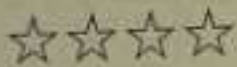
شیروانی میری ہے

دو لڑکے تھے اور دونوں ہم عمر اور کنوارے تھے، دونوں میں بہت دوستی بھی۔ ان دونوں میں ایک غریب تھا دوسرا مالدار، اتفاق سے غریب لڑکے کی شادی ہونے والی تھی تو اس نے اپنے مالدار دوست سے کہا: آپ مجھے اپنی شیروانی دے دیں، نکاح ہو جانے کے بعد واپس کر دوں گا، مالدار دوست نے جواب دیا یہ کون سی بڑی بات ہے، ہم انشاء اللہ آپ کو اتنی اچھی شیروانی دیں گے کہ لوگ دیکھا کریں گے۔ بہرحال جس دن بارات جانے والی تھی اس نے اپنے غریب دوست کو فرسٹ کلاس کی شیروانی دے دی۔ یہ مالدار دوست بھی خوب بن ٹھن کر بارات میں گیا، کیوں کہ اس کا مخصوص دوست تھا۔ جہاں پر بارات ٹھہری ہوئی تھی وہاں دولہا سے ملنے کے لئے لوگ آنے لگے، دونوں لڑکے ہم عمر تھے اور دونوں ہی اچھی طرح سجے ہوئے تھے اس وجہ سے پہچانا نہیں جاتا تھا کہ اس میں دولہا کون ہے اور دونوں بغل ہی بغل ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی آیا اور اس نے پوچھا کہ اس میں دولہا کون ہے؟ دولہا کا دوست بولا کہ دولہا تو یہ ہے لیکن شیروانی میری ہے۔ دولہے کو بڑی شرمندگی ہوئی، اس نے اپنے دوست سے کہا تجھ سے اس نے کب پوچھا تھا بلا وجہ تم ہمیں شرمندہ کرتے ہو۔ دوست نے کہا بھائی معاف کر اب ایسا نہیں کہوں گا۔ کچھ دیر کے بعد دوسرا آدمی آیا اس نے بھی یہی پوچھا اس میں دولہا کون ہے، دوست جلدی سے بول پڑا دولہا تو یہ ہے لیکن شیروانی میری نہیں ہے بلکہ اس کی خود اپنی ہے۔ دولہے نے کہا یار تو عجب آدمی ہے تجھ سے شیروانی کو کون پوچھتا ہے کہ شیروانی میری ہے یا تیری، بلا وجہ مجھے بے عزت کرتا ہے، تو اپنی شیروانی لے جا میرا نکاح بغیر شیروانی کے بھی ہو جائے گا۔ دوست

نے کہا اچھا بھائی! اب میں نہیں کہوں گا۔ پھر کوئی آیا اور پوچھا بھئی اس میں دولہا کون ہے؟ اس کے دوست کو بولنے کی عادت تھی ہی، فوراً بول پڑا کہ دولہا تو یہ ہے لیکن شیروانی نہ میری ہے نہ اس کی خود کی۔ یہ سن کر دولہا بہت ناراض ہوا، شیروانی اتار کر دیدی اور کہا آپ کو اپنی شیروانی مبارک ہو، لیجیے اس کو اپنے پاس ہی رکھیے، اس لیے کہ آپ کو شیروانی کا تذکرہ کیے بغیر چین نہیں آتا۔ دوست نے کہا ارے بھائی! میری زبان سے بھول سے نکل ہی جاتا ہے، معاف کر دو اب ہرگز ایسا نہیں کہوں گا، یہ کہہ کر دولہے کو شیروانی واپس کر دی اور وہ دوبارہ پہن کر بیٹھ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ اتفاق سے پھر ایک آدمی آ گیا اور اس نے بھی یہی سوال کیا کہ دولہا کون ہے۔ اس کے دوست سے رہا نہ گیا اور پھر بول پڑا کہ دولہا تو یہ ہے لیکن شیروانی کی بات اب نہیں کروں گا۔

فائدہ

احسان کر کے جتانا، یا اس کا اظہار شریعت کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ مگر افسوس!! اکثر مالداروں کو دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کو سو پچاس روپے دیدیے، تو بار بار اس احسان کا ذکر کہ فلاں تو میرے ٹکڑوں پر پل رہا ہے یا کم سے کم اتنا ضرور تذکرہ کہ فلاں آتا ہے تو کچھ نہ کچھ ضرور دے دیتا ہوں اور مقصد اپنی سخاوت کا بیان اور غریب بے چارے پر احسان جتانا ہوتا ہے۔

احسان جتانے کے دو نقصان ہیں: ایک دنیوی اور دوسرا دینی۔

دنیوی نقصان تو یہ ہے کہ جس شخص پر احسان کیا ہے اس کے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے، برا مانتا ہے اور ترکِ تعلق کر لیتا ہے۔ اگر احسان نہ جتایا تو ضرور شکر گذار ہوتا اور بے دام غلام۔

دینی نقصان یہ ہے کہ احسان جتانے کی وجہ سے اس احسان کا ثواب بھی نہیں ملے گا۔ ارشاد باری ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی"
(ایمان والو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر مت ضائع کرو)
اس لیے احسان کرنے کے بعد ایسا کوئی عمل نہیں کرنا چاہیے، جس سے احسان جتانا محسوس ہو اور ہم ثواب سے محروم رہ جائیں۔

☆☆☆☆
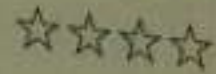
(۲۶)

﴿بکری نہیں کتیا ہے﴾

تین لٹیرے تھے۔ ان کے لوٹنے کا ایسا انوکھا طریقہ تھا کہ نہ کسی کو لاٹھی ماریں نہ بلم نہ تلوار دکھائیں نہ بندوق، صرف باتوں باتوں میں راہ گیروں سے ان کا مال لے لیتے تھے۔ یہ ان کا عجیب فن تھا۔ ایک روز تینوں سوچ رہے تھے کہ کیا کیا جائے کہاں ہاتھ مارا جائے۔

اتفاق سے ایک دیہاتی بھولا بھالا سیدھا آدمی کہیں سے پانچ سو روپیہ کی ایک کالی بکری خرید کر اپنے گھر لے جا رہا تھا، ان لٹیروں کی نظر اس بکری پر پڑ گئی تو آپس میں کہنے لگے چلو اس بکری کو لے لیں، تینوں نے کہا چلو چلو! لے لیں جیسے بکری ان کے ابا کی ہو۔

بہر حال تینوں نے مشورہ کیا اور متفق ہو کر چل دیے، جنگل کا پتلا راستہ تھا ایک آدمی چلنے بھر کا، اسی راستے سے بکری والا جا رہا تھا، یہ تینوں لٹیرے الگ الگ ہو گئے اور اپنا لوٹنے والا فن استعمال کیا، پہلے ایک لٹیرا اس بکری والے سے راستے میں ملا اور کہنے لگا حضرت یہ کتیا کہاں لے جا رہے ہو، بکری والے نے کہا: بھائی میرے! یہ کتیا کہاں ہے یہ تو بکری ہے، پانچ سو روپیہ میں ہم

نے خریدی ہے، دو لیٹر دودھ دیتی ہے۔ لٹیرے نے کہا بھائی صاحب ہے تو یہ کتیا ہی، آپ کو بکری نظر آ رہی ہے، عجیب حالت ہے آپ کی۔ یہ کہہ کر سلام کیا اور چلتا ہو گیا، رکا بالکل نہیں۔ بکری والے کے دل میں سات پانچ ہونے لگا اور سوچنے لگا کہ اس نے بکری کو کتیا کیسے کہا۔

یہ سوچتے ہوئے جا رہا تھا کہ دوسرا لٹیرا ملا، اس نے سلام کیا اور کہا: حضرت یہ کتیا کہاں لے جا رہے ہو؟ بکری والے کو بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگا بھائی میرے! یہ کتیا نہیں ہے، بلکہ بکری ہے، ہم نے اسے پانچ سو روپے میں خریدا ہے، دو لیٹر دودھ دیتی ہے، کتیا کہاں ہے؟ لٹیرے نے کہا: حضرت آپ کی کسی نے نظر بندی تو نہیں کر دی ہے؟ اس وجہ سے یہ کتیا آپ کو بکری نظر آ رہی ہے ورنہ ہے یہ کتیا ہی، یہ کہہ کر اس نے بھی سلام کیا اور چلا گیا۔ اب تو اس دیہاتی کے دل میں سات پانچ اور بڑھ گیا اور سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا واقعی کسی نے میری نظر بندی کر دی ہے اسلئے کہ جو پہلے آدمی ملا تھا وہ بھی کتیا بتا رہا تھا، پھر یہ دوسرا شخص ملا یہ بھی کتیا کہہ رہا ہے۔ اسے اگر گھر لے جاؤں اور واقعی کسی نے میری نظر باندھ دی ہے تو پورے قصبہ میں میری بے عزتی ہو گی اور لوگ کہیں گے کہ کتیا کو بکری سمجھ کر پانچ سو میں خرید لایا، پیسے جو گئے وہ تو گئے ہی، عزت بھی جائے گی۔

یہی سوچتا ہوا بے چارہ جا رہا تھا کہ تیسرا لٹیرا ملا اور کہنے لگا "السلام علیکم" بکری والے نے جواب دیا" وعلیکم السلام" لٹیرا کہنے لگا: حضرت! یہ کتیا کہاں لیے جا رہے ہو؟ یہ الفاظ سنتے ہی اس دیہاتی کے دل میں بالکل فٹ بات بیٹھ گئی کہ ہے یہ کتیا ہی، ورنہ کسی کو تو بکری نظر آتی، جو ملتا ہے کتیا ہی کہتا ہے۔ حقیقتاً یہ کتیا ہی ہے، یہ سمجھ کر اس بھولے بھالے دیہاتی نے بکری کو وہیں جنگل میں چھوڑ دیا، اور تنہا گھر چلا گیا۔ جب وہ چلا گیا تو تینوں لٹیروں نے آ کر بکری پکڑی اور لے کر چلے گئے۔ یہ ان کے ٹھگنے کا انوکھا انداز تھا۔

فائدہ: دھوکہ دہی خواہ دنیاوی امور میں ہو یا دینی، کسی بھی معاملہ اور صورت میں جائز نہیں ہے، اس کے ذریعہ جو کچھ بھی حاصل کیا جائے گا وہ جہنم کی آگ میں اضافہ کا سبب بنے گا۔ یہ دھوکہ کھانا اور مسئلے کے ہر پہلو پر نظر نہ ڈالنا یہ بھی کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے۔ خصوصاً مسلمان کو چاک و چوبند رہنا چاہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین" (بخاری: ۹۰۵)

(مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا)

گویا مومن کی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نہ تو وہ دھوکہ کھاتا ہے اور نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب انسان کسی ایک بات کو بار بار سنتا ہے تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، ضرور طبیعت پر کچھ نہ کچھ اثر پڑتا ہے۔ اسی لیے دھوکہ دینے سے منع کیا گیا ہے۔

☆☆☆☆
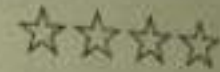
(۲۷)

بچوں نے استاذ ہی کو پڑھا دیا

ایک مولوی صاحب تھے، جو بچوں کو پڑھایا کرتے تھے، لیکن ان کو مارنے کی عادت تھی اور بلا وجہ بھی بچوں کو مارا کرتے تھے، بچے ماشاء اللہ سب سمجھدار تھے۔ ایک مرتبہ بچے آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ مولوی صاحب کی مار سے کیسے جان چھوٹے؟ ایک بچے نے کہا کہ

بات طے کر لو کہ جب کل مولوی صاحب ہم سب کو سبق سنانے کے لیے بلائیں تو جس لڑکے کو بھی بلائیں وہ بار بار استاذ کو دیکھتا رہے اور اس طرح سے کہ مولوی صاحب آپ کی طبیعت کچھ علیل معلوم ہوتی ہے۔ اس طرح کا مشورہ سب بچوں نے کر لیا۔ جب صبح سب بچے پڑھنے کے لئے آ گئے تو روزانہ کی طرح سبق سنانے کے لئے مولوی صاحب نے ایک بچے کو بلایا، جو بچہ سبق سنانے کے لئے آیا وہ بار بار مولوی صاحب کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ کی طبیعت کچھ علیل معلوم ہو رہی ہے۔ مولوی صاحب نے اسے ڈانٹ دیا اور کہنے لگا کہ میری طبیعت علیل نہیں ہے۔ اب دوسرے بچے کی باری آئی وہ بھی مشورے کے مطابق سبق سنا تا جا رہا تھا اور مولوی صاحب کے چہرے کی طرف دیکھتا جا رہا تھا اس کے بار بار چہرے دیکھنے کی وجہ پوچھی تو اس نے بھی یہی کہا کہ آپ کی طبیعت کچھ علیل معلوم ہوتی ہے، مولوی صاحب نے اس کو بھی ڈانٹ دیا، لیکن جو بھی بچہ آتا وہ یہی کہتا، پانچ سات بچوں نے جب مولوی صاحب سے اسی طرح کہا اور ہر بچے سے جب مولوی صاحب نے یہی سنا تو اس بات کا دل پر احساس ہوا کہ میری طبیعت کچھ علیل معلوم ہوتی ہے اسی وجہ سے سب بچے کہہ رہے ہیں تو ان سب بچوں کے کہنے کی وجہ سے مولوی صاحب نے بچوں کو وقت سے پہلے ہی چھٹی دیدی اور سیدھے گھر پر گئے۔ کہیں نہیں رکے، وقت سے پہلے گھر آ جانے پر بیوی صاحبہ نے پوچھا خیریت تو ہے؟ آج آپ وقت سے پہلے کیسے آ گئے؟ تو مولوی صاحب غصہ میں آ کر کہنے لگے میری طبیعت خراب ہے اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں یہ تو خیر ہوئی کہ بچوں نے مجھے بتایا کہ میری طبیعت علیل ہے۔ بچوں کو جلدی چھٹی دیکر آ گیا ہوں۔ بیوی نے یہ سنا تو جلدی سے چارپائی بچھا دی اس پر گدا ڈال دیا، تکیہ رکھ دیا اور مولوی صاحب کو آرام کیلئے کہا، پھر مولوی صاحب نے اپنے بچہ کو جلدی سے حکیم صاحب کو بلا لانے کے لئے کہا اور کہا کہ حکیم صاحب سے کہہ دینا کہ ہمارے والد صاحب

کی طبیعت خراب ہے آپ کو جلدی بلایا ہے حکیم صاحب جلدی سے دوا لے کر وہاں پہنچے، نبض وغیرہ دیکھ کر کہنے لگے کہ انکو آرام کی سخت ضرورت ہے، یہ کہہ کر دوا وغیرہ دے کر چلے آئے۔ حکیم کے کہنے کا مولوی صاحب کے اوپر بچوں کے کہنے سے بھی زیادہ اثر پڑا اور منتظمین مدرسہ سے ایک مہینہ کی چھٹی مانگ لی اور بچوں کو بھی ایک مہینہ کی راحت ہوگی۔

فائدہ

سابقہ واقعے کے فوائد میں یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ انسان جب کسی بات کو بار بار سنتا ہے تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس کی طبیعت پر ضرور کچھ نہ کچھ اثر پڑتا ہے اور دھوکہ کھا ہی جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شادی بیاہ اور ولادت ووفات کے موقعوں پر ہم بہت سی خرافات وبدعات کا ارتکاب دین سمجھ کر کرتے ہیں اور جب کوئی عالم دین ہمیں منع کرتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ دادا بابا کے زمانے سے یہ ہوتا چلا آیا ہے، کچھ تو اس کی حقیقت ہوگی، اگر خلاف دین ہوتا تو کیوں کرتے۔ یہ دین کے معاملے میں دھوکہ کھانا ہے۔ دین اور دنیا ہر معاملہ میں دھوکہ کھانے سے بچنے کی ضرورت ہے، ورنہ دنیا میں بھی نقصان اٹھائیں گے اور آخرت میں بھی۔ اللھم احفظنا منہ

☆☆☆☆

(۲۸)
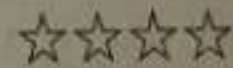
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

ایک آدمی نے مکان بنوانے کے لیے ایک زمین خریدی، جب کام شروع ہوگیا اور کھدائی ہونے لگی تو کھدائی کے دوران اتفاق سے سونا نکل آیا۔ تو اس زمین خریدنے والے نے جس آدمی سے زمین خریدی تھی اس سے جاکر کہا کہ ہم نے آپ سے جو زمین خریدی تھی اس میں خزانہ نکلا ہے، اس کو آپ لے جائیں۔ زمین بیچنے والے نے کہا: یہ تو آپ کی تقدیر سے نکلا ہے، وہ خزانہ ہمارا نہیں ہے ہم نہیں لیں گے، ہم نے جب زمین بیچ دی تو اس کے اندر جو کچھ تھا وہ سب بھی بیچ دیا، ہم اسے ہرگز نہیں لیں گے۔

زمین خریدنے والے نے کہا: بھائی میرے! ہم نے آپ سے زمین خریدی ہے خزانہ نہیں خریدا ہے، اس لیے آپکو لینا ہوگا۔ زمین بیچنے والے نے خزانہ لینے سے صاف انکار کردیا، زمین خریدنے والا بھی انکار کر رہا ہے۔ ایک خزانہ دے رہا ہے، دوسرا خزانہ نہیں لے رہا ہے۔

اب آپس میں دونوں کے جھگڑے کی نوبت آگئی تو دونوں عدالت میں گئے اور قاضی کے سامنے اپنی اپنی دلیلیں پیش کیں۔ قاضی صاحب نے غور وفکر کرنے کے بعد دونوں سے پوچھا: کیا آپ لوگوں کی اولاد ہیں؟ ایک نے کہا: میرے لڑکا ہے، دوسرے نے کہا: میری ایک لڑکی ہے، اتفاق سے لڑکے اور لڑکی کی عمر بھی ایک تھی۔ قاضی صاحب نے فیصلہ دیا کہ آپ لوگ اپنے لڑکے اور لڑکی کی شادی آپس میں کردیں اور جو خزانہ زمین سے نکلا ہے وہ خزانہ ان کو دیدو، اس فیصلے پر دونوں رضامند ہوگئے اور دونوں کا جھگڑا ختم ہوگیا۔

فائدہ

یہ بھی ایک انسان تھے جو عدالت میں اس لیے گئے تھے کہ یہ چیز میری نہیں ہے بلکہ فلاں کی ہے، کیا فرشتہ صفت انسان تھے۔ آج عدالتیں ایسے مقدمات سے بھری پڑی ہیں کہ فلاں چیز فلاں کی نہیں میری ہے۔ ایک دوسرے کے مال کو ہڑپ کرنے کے لیے کیا کچھ تدبیریں نہیں کی جا رہی ہیں۔ اس وقت جس قدر دنیا میں فتنہ وفساد، قتل وغارت گری، لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے سب کے پیچھے یہی ایک مقصد کارفرما ہے کہ کسی بھی طریقے سے فلاں کی دولت اور مال مجھے مل جائے۔ بُرا ہو اس حرص وطمع کا۔

☆☆☆☆
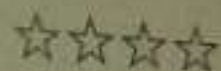
(۲۹)

کتے مسلمان ہیں یا ہندو

ایک مولوی صاحب تھے۔ جو ہندو اور مسلمان سب میں ہر دلعزیز تھے اور سبھی انھیں چاہتے تھے، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ بہت مذاقیہ اور حاضر جواب بھی تھے۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب کہیں سے آ رہے تھے اور چوراہے پر کچھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں ہندو مسلمان سب ہی تھے، ان لوگوں کو مذاق سوجھا۔ جب مولوی صاحب قریب آ گئے تو ان لوگوں نے مولوی صاحب کو قریب بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور کہا مولوی صاحب آپ سے ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ چوراہے پر جو آٹھ دس کتے لیٹے اور بیٹھے ہیں ہندو ہیں یا مسلمان؟

مولوی صاحب حاضر جواب تو تھے ہی فوراً جواب دیا اس کی پہچان تو بڑی آسان ہے ان کے سامنے روٹی ڈال کر دیکھو اگر سب کتے مل کر کھائیں تو مسلمان ہیں اور اگر لڑنے لگیں تو ہندو۔ یہ جواب سن کر جو ہندو صاحبان تھے بہت شرمندہ ہوئے اور خاموش ہو گئے اور مولوی صاحب یہ جواب دے کر چلتے بنے۔

فائدہ

مومن اور مسلمان کی صفت اتحاد واتفاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

المؤمنون کجسد واحد ان اشتکی عضوا تداعی له سائر الجسد با لسهر والحمی [مشکوۃ:۵۰۰]

(ایمان والے ایک جسم کی طرح ہیں، اگر آنکھ کو تکلیف ہو جائے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے، اور اگر سر کو تکلیف ہو جائے تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے)

لڑائی جھگڑا، اختلاف وانتشار کتوں کی صفت ہے، جو آدمی لڑائی جھگڑے کو پسند کرے یقیناً وہ ایک غیر انسانی صفت کو پسند کر رہا ہے، اسے اس سے بچنا چاہیے۔

مولوی صاحب کے جواب میں مسلمانوں کی اس اچھی صفت کی جانب اشارہ تھا کہ جب وہ کھانا کھاتے ہیں تو مل جل کر ایک دسترخوان پر بیٹھ کر ایک ساتھ ایک پیالہ میں کھاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہندوؤں میں دور دور بیٹھ کر کھانے کا رواج ہے، گویا کتوں کی طرح الگ الگ کھاتے ہیں۔

☆☆☆☆

(۳۰)

نفع میں دو جوتیاں بچیں

یہ اس زمانے کی بات ہے، جس زمانے میں ریل گاڑیاں اور بسیں نہیں تھیں۔ ایک آدمی گھر والوں سے یہ کہہ کر چلا کہ ہم تجارت کے لئے دوسرے شہر جا رہے ہیں، آٹھ دس کلومیٹر گیا ہوگا کہ راستے میں ایک کھیت پڑا، اس میں کسی نے اپنا گھوڑا چرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا، اس نے دور دور تک چاروں طرف نگاہ دوڑائی مگر کوئی آدمی نظر نہیں آیا، تو اس نے گھوڑے کا مل جانا غنیمت سمجھا اور اسے پکڑ کر پیٹھ پر سوار ہولیا اور سرپٹ بھگانے لگا، کوئی سات آٹھ کلومیٹر راستہ طے کیا ہوگا کہ ایک گاؤں نظر آیا، جب اس گاؤں کے قریب پہنچا تو گاؤں کے باہر ہی ایک آدمی ملا، بظاہر معلوم یہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ اسی گاؤں کا رہنے والا ہے، جب گھوڑ سوار اس کے قریب پہنچا تو اس نے ہاتھ دے کر اسے روکا اور کہا کہ بھائی گھوڑا تو ماشاء اللہ تمہارا بہت شاندار ہے کیا اسے آپ بیچیں گے، گھوڑے والے نے سوچا کہ تجارت کے لئے تو نکلے ہی ہیں غنیمت ہے کہ گھوڑے کا گاہک لگ گیا، گھوڑا بیچ دینا چاہئے اور اس سے جو رقم ملے دوسری تجارت میں لگالوں گا، یہ سب سوچ کر اس نے کہا کہ ہاں صاحب بیچنا تو ہے لیکن پانچ سو روپئے سے کم قیمت پر نہیں بیچوں گا، خریدار نے کہا ارے صاحب! آپ پانچ سو روپئے مانگ رہے ہیں اگر گھوڑا ہمیں پسند آگیا تو ہم آپ کو انشاء اللہ سوا پانچ سو روپئے دیں گے، لیکن اس کی رفتار تو دیکھ لیں، سب باتیں طے ہونے کے بعد گھوڑے والا گھوڑے سے نیچے اترا اور خریدار کے ہاتھ میں رفتار دیکھنے کے لئے لگام دے دی، گھوڑا خریدنے والے نے اپنی دونوں جوتیاں اتار کر گھوڑے پر سوار ہو کر ایڑ لگا دی اور جا وہ جا لمحہ بھر میں اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

حقیقت میں وہ خریدار نہیں تھا، بلکہ چور کا بھائی گھنٹی چور تھا اور جوتیاں اس نے اسلئے اتار دیں تھیں کہ گھوڑے والے کو اعتماد آجائے کہ میں صرف اس کی رفتار دیکھنا چاہتا ہوں۔ بیچارہ گھوڑے والا شام تک وہیں بیٹھا اس کا راستہ تکتا رہا، بھلا وہ کب لوٹ کر آنے والا تھا۔ جب اس سے مایوس ہوگیا تو اس کی دونوں جوتیاں اپنے سامان والے تھیلی میں ڈال لیں اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا، جب گھر پہنچا تو عزیز واقارب پوچھنے لگے بھائی تجارت کیسی رہی، تو وہ سب کے جواب میں یہی کہتا تھا کہ جتنے میں لیا تھا اتنے میں ہی دے دیا اور ان دو جوتیوں کی طرف اشارہ کر کے کہتا "نفع میں یہ دو جوتیاں بچی ہیں"۔

فائدہ

جیسی کمائی ہوتی ہے اسی کے اعتبار سے وہ خرچ بھی ہوتی ہے۔ اس نے دوسرے کے مال کو ہڑپ کر اپنا بنا لیا تھا، دوسرے نے اس سے چھین کر لے لیا۔ دو جوتیاں مزید عنایت کیں۔ غلط کام کرنے والوں، لوگوں پر ظلم ستم کرنے والوں اور گمراہ کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں جوتیاں ہی نفع میں ملیں گی۔

☆☆☆☆

(۳۱)

ہرے شیشے کا چشمہ

ایک تانگے والا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو ہرے شیشے کا چشمہ پہنا رکھا تھا، عموما

تانگے والے گھوڑوں کو چمڑے کے چشمے پہناتے ہیں۔ ایک دن دوسرے تانگے والے نے پوچھا کہ آپ اپنے گھوڑے کو ہرے گلاس کا چشمہ کیوں پہناتے ہو اسکی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا یہ گھوڑا بڑا لاڈلا ہے، سوکھی گھاس نہیں کھاتا اور بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہری گھاس ملتی نہیں اگر ملتی بھی ہے تو بہت مہنگی ملتی ہے، اس مجبوری کی بناء پر اسے ہرے گلاس کا چشمہ پہنا دیتا ہوں پھر سوکھی گھاس اسکے سامنے ڈال دیتا ہوں تو سوکھی گھاس کو ہری سمجھ کر کھالیتا ہے۔

فائدہ

جس رنگ کا چشمہ آنکھ میں لگا کر انسان دیکھے گا، ہر چیز اسے اسی رنگ کی نظر آئے گی، اسے اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ انسان خود جیسا ہوتا ہے دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے، نیک اور اچھی طبیعت کے لوگ سب کو نیک اور اچھا سمجھتے ہیں، بُری طبیعت و عادت کے لوگ سب کو بُرا سمجھتے ہیں۔

نیز اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ عقل مند کی نظر ہمیشہ حقیقت پر ہونی چاہیے، ظاہری چمک دمک اور ملمع سازی سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے، ورنہ اس کا حال اس گھوڑے جیسا ہی رہے گا جو ہرے چشمہ کی وجہ سے سوکھی گھاس کو بھی ہری گھاس سمجھ بیٹھا۔

☆☆☆☆

(۳۲)
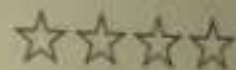
﴿هذا من فضل ابليس﴾

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جس زمانے میں انگلینڈ والے ہندوستان پر حکومت کرتے تھے اور سامان بیحد سستا مل جاتا تھا، دس پیسے میں مونگ پھلی کا تیل ایک کلو ملتا تھا، تل کا تیل پچیس پیسے میں ایک کلو ملتا تھا اور ایک روپیہ میں ایک کلو دیسی گھی ملتا تھا۔ حکومت کی نوکری کرنے والے اگر صحیح طریقہ سے نوکری انجام دیتے تھے تو ہر سال اس کی تنخواہ میں دو روپیہ کا اضافہ ہوتا تھا اور تنخواہ بڑھتے بڑھتے ساٹھ روپیہ تک ہو جاتی تھی، یہ سب سے زیادہ تنخواہ کہلاتی تھی۔

اسی زمانے میں ایک آدمی سات روپیہ کی تنخواہ میں نوکری کرتا تھا، اتفاق سے اس پر شیطان عاشق ہو گیا اور گہرا دوست بن گیا۔ ایک دن شیطان نے اس سے کہا تو نوکری چھوڑ دے اس سات روپیہ میں ترقی نہیں کر سکتا، میں تجھے پیسہ کمانے کا طریقہ بتا دوں گا۔ پہلے تو اس نوکری کرنے والے کو یقین نہیں آیا اور کہنے لگا یہ سات روپیہ والی نوکری بھی جائیگی اور تو مجھے پھنسا دیگا تو پھر میرا کیا ہوگا۔ اس پر شیطان نے اس کو یقین دلایا اور کہا میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں میں تجھے پھنساؤں گا نہیں، بلکہ لکھپتی اور مالدار بنا دوں گا۔ لکھپتی بننے کی بات سن کر اس کے منہ میں پانی آگیا اور اپنے دوست شیطان کے کہنے پر نوکری چھوڑ دی۔ شیطان نے اسے کالے بازار کا راستہ بتایا۔ جب کچھ رقم جمع ہو گئی تو سود اور شراب کا کاروبار شروع کرا دیا، دو تین سنیماؤں کا مالک بنا دیا۔ اس کے بعد وہ ایک بہت بڑی بلڈنگ بنوانے لگا، جب عمارت بن کر تیار ہو گئی تو اس نے اپنے چاہنے والوں کی بہت بڑے پیمانے پر دعوت کی۔ مالدار ہونے کے بعد سیکڑوں نئے دوست بھی بن گئے تھے۔ دعوت والے روز سب حضرات وقت پر حاضر ہو گئے، شیطان جو اس کا مخصوص

دوست تھا، پہلے ہی سے حاضر تھا۔ لوگ جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو شیطان نے سب کو روک لیا اور کہنے لگا میری تھوڑی سی بات آپ صاحبان سنتے جائیں، سب رک گئے، شیطان نے بتانا شروع کیا اور کہنے لگا یہ انسان جسکی دعوت میں آپ صاحبان آئے ہیں اس سے پوچھو کہ یہ صرف سات روپیہ تنخواہ پر نوکری کرتا تھا، اتفاق سے میرا اس کا تعلق ہو گیا، میں نے اسکی نوکری چھڑوادی اور کالے بازار کا دھندہ بتایا، سود اور شراب کا ٹھیکہ دلایا، پھر دو تین سنیما گھر کا مالک بنایا اس سے یہ لکھپتی ہو گیا اور اتنی بڑی بلڈنگ اس نے اسی حرام کی کمائی سے بنوائی ہے اور اس بلڈنگ کے اوپر اس بے ایمان نے کیا لکھوایا ہے اس کو آپ صاحبان پڑھ لیجئے۔ لوگوں نے جب بلڈنگ کے اوپر نظر کی تو اس پر لکھا تھا " ھذا من فضل ربی " (یہ میرے رب کا فضل ہے) یہ اس کی بے ایمانی نہیں تو اور کیا ہے۔ اس بلڈنگ کے اوپر میرا نام لکھوانا چاہئے تھا یعنی " ھذا من فضل ابلیس " (یہ ابلیس کا فضل ہے) کیونکہ یہ سب کمائی حرام کی کمائی ہے اور میری مدد سے لی ہے اس نے میرا نام نکال کر اللہ کا نام کیوں لکھا اس سے آپ صاحبان اندازہ لگایئے یہ کتنا بڑا بے ایمان ہے۔

فائدہ

آج کل یہ مقولہ مشہور ہو گیا ہے "پیسہ ہو چاہے جیسا ہو" سود خوری، رشوت ستانی عام ہو گئی ہے، تجارتی لین دین میں دھوکہ دہی بہت تیز اور چالاک ہونے کی دلیل اور قابل تعریف چیز ہو گئی ہے۔ اور ایسے لوگوں سے اگر آپ پوچھیں کہ بھائی صاحب کیسی گزر رہی ہے، تو جواب دیں گے خدا کا شکر ہے، بہت اچھی طرح زندگی گزر رہی ہے، کاروبار بہت اچھا چل رہا ہے، بہت برکت ہو رہی ہے۔

افسوس! فقط اس کی فکر نہیں ہوتی کہ اگر یہ چند روزہ زندگی اس حرام مال کے ذریعہ خوش

حال گزر بھی گئی تو کیا ہوتا ہے، کہیں اس کی وجہ سے مدتوں نار جہنم میں نہ جلنا پڑے اور یہ مال حرام وہاں اژدھے کی شکل میں مسلط ہو۔

درحقیقت یہ سب شیطانی وسوسہ ہے کہ خوب مال ہونا چاہیے تاکہ عیش کی زندگی کٹے۔ حالاں کہ اصل زندگی دنیا کی زندگی ہے ہی نہیں، یہاں تو جس طرح بھی کٹ جائے بہر حال کٹ جائے گی، اصل تو یہ دیکھنا ہے کہ ہم نے اس زندگی کے لیے کیا جمع کیا ہے جہاں موت ہی نہیں آئے گی۔

☆☆☆☆

(۳۳)

ابلیس کی توبہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ابلیس بہت آتا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے ابلیس سے کہا تو بھی توبہ کر لے کاہے کو پریشان ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی پریشان کرتا ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہیں کریگا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا دنیا میں کوئی بھی توبہ کرنا چاہے تو اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے، تیری توبہ کیوں نہیں قبول کریگا، تو میرے ساتھ کوہ طور پر چل میں تیری سفارش کر دونگا، اللہ تبارک وتعالیٰ میرے اوپر بہت مہربان ہیں، مجھ سے باتیں کرتے ہیں، تو اپنی ضد چھوڑ دے اور میرے ساتھ چل۔

موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر ابلیس رضامند ہو گیا اور آپ کے ساتھ توبہ کرنے کی نیت سے

چل دیا۔ جب کوہ طور پر پہنچے اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت شروع کی تو موسیٰ علیہ السلام نے ابلیس کی سفارش کردی اور کہا اے باری تعالیٰ جیسے دوسرے اور بہت سے بندے ہیں اسی طرح ابلیس بھی تیرا بندہ ہے اور میرے ساتھ توبہ کی نیت سے آیا ہے، اسکی توبہ قبول کرلے۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا میرے دربار میں جو بھی توبہ کرتا ہے اور اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے اسکی توبہ ضرور قبول کرلیتا ہوں اگر ابلیس توبہ کرنا چاہے تو میری ایک بات مان لے اور وہ یہ ہے کہ آدم (علیہ السلام) کی قبر پر سجدہ کرلے، میں اس کی توبہ قبول کروں گا۔ یہ سنکر ابلیس آگ ببولا ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا دیکھا موسیٰ اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول کرنے کے لیے کیسی کڑی شرط لگائی، آدم زندہ تھے اس وقت تو میں نے ان کو سجدہ کیا نہیں، اب بھلا میں ان کی قبر پر سجدہ کروں گا، یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہوکر چلدیا۔

فائدہ

شیطان کی دربار الٰہی سے مردودیت کا اصل سبب کبر اور ضد ہی ہے، اسی وجہ سے اس نے حکم الٰہی ماننے سے انکار کیا۔ عقیدۂ توحید اور ذات باری سے محبت کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ آدم کو سجدہ نہ کیا جائے، بلکہ حقیقی توحید یہ ہے کہ جب اللہ کو مان لیا تو اب اس کے ہر حکم پر جان قربان کر دی جائے، اپنی خواہش کو چھوڑ کر جو وہ کہے وہ کیا جائے، یہی سچی محبت اور ایمان ہے۔
ورنہ زبانی دعویٰ تو ہوسکتا ہے لیکن دل میں ایمان نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے کے لیے کہتا تو نماز نہ پڑھے، روزہ رکھنے کے لیے کہیں تو روزہ نہ رکھے اور دعویٰ کرے کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے تو کون اس دعوے کو سچا کہہ سکتا ہے۔

☆☆☆☆

(۳۴)
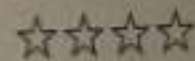
جھگن مگن مٹھا بنائیں، ملھن کلیا کھائے

ایک شہر تھا۔ جس کے بیچ میں سے نیشنل ہائی وے گذرتا تھا، روڈ کے ایک طرف ایک بنئے نے دوکان لگائی، دوکان کی بکری اچھے پیمانے پر ہونے لگی۔ ایک مہینے میں دوکان کا سارا خرچ نکالنے کے بعد بنئے کو تین چار ہزار روپے بچ جاتے تھے۔ بنیا بہت خوش تھا، اسکی سمجھ کے مطابق اگر یہ دوکان اسی طرح چلتی رہی تو تین چار سال میں ہم لکھپتی ہو جائیں گے۔ اتفاق سے سڑک کے دوسری طرف ٹھیک اس کے سامنے ایک دوسرے بنئے نے دوکان کھولدی، جس قیمت پر پہلا والا بنیا مال بیچتا تھا اسی قیمت پر یہ بھی بیچنے لگا۔ اب پہلے والے بنئے کی آمدنی بہت کم ہو گئی، وجہ اس کی یہ ہوئی کہ سامنے والے فٹپاتھ کی طرف رہنے والے لوگ وہیں سے مال خرید لیتے تھے، یہ سوچ کر کہ اتنا بڑا روڈ کراس کرکے دوسری طرف مال خریدنے کون جائے، اس وجہ سے پہلے والا بنیا بعد والے بنئے سے بہت جلتا تھا۔

پہلے والے بنئے کی دوکان پر کوئی دھرم گرو، مہاراج یا مہاتما آتے تو وہ بنیا ان سے کہتا کہ آپ صاحبان کچھ ایسا جھوچھا کردو یا کوئی منتر بتادو کہ میں اس کو جپوں، تاکہ سامنے والے بنئے کا ستیاناس ہو جائے۔ وہ لوگ جواب میں کہتے کہ ہم ایسا کام نہیں کرتے۔ ہر دھرم میں اچھے لوگ ہوتے ہیں اور برے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ پہلے والا بنیا ہر آنے والے مہاراج سے یہی کہتا، اتفاق سے ایک مہاراج مل گئے انھوں نے کہا کہ دیکھو ہم اپنی طرف سے کسی کا برا ہو جائے ایسا کام نہیں کرتے، البتہ آپکو ایک وظیفہ بتاتے ہیں، اسے چالیس دن تک لگاتار پڑھیں گے تو بھگوان آپکے پاس خود آجائیں گے، پھر آپ کو جو کہنا ہو کہنا، جو مانگنا ہو مانگنا، اس بات پر بنیا بہت

خوش ہوا اور مہاراج سے پوچھنے لگا کہ کیا میں بھگوان کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں گا؟ مہاراج نے کہا بالکل آپ اپنی آنکھوں سے بھگوان کو دیکھ لو گے۔

بنیا مارے خوشی کے ناچنے لگا اور کہنے لگا جب بھگوان ہی میرے سامنے آجائیں گے تو دو چار لاکھ روپیہ مانگ لوں گا اور ایک امپالا موٹر خرید دوں گا، پھر ہندوستان میں ہر جگہ تیرتھ کرتا پھروں گا اس دوکان پہ بارہ گھنٹے کون بیٹھے گا۔ یہ سب سوچ کر بنیے نے اس مہاراج سے کہا وہ وظیفہ آپ ہم کو بتادیں آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔

مہاراج نے بنیے کو وظیفہ بتادیا اور اس کے پڑھنے کی ترکیب بھی بتادی۔ مہاراج دو ایک دن بنیے کے وہاں رہ کر چلے گئے اور بنیے نے وظیفہ پڑھنا شروع کردیا، وقت گذرتے دیر تھوڑی ہی لگتی ہے۔

وظیفہ پڑھتے پڑھتے انتالیس دن گذر گئے، آج چالیسواں دن ہے، بھگوان آج ہی آویں گے۔ بنیے نے نہا دھو کر اچھے صاف ستھرے کپڑے پہنے، عطر وغیرہ خوب لگایا، اگربتی جلائی، گھر میں چاروں طرف گلاب کا پانی چھڑکا اور وظیفہ پڑھنے بیٹھ گیا، وظیفہ پڑھ ہی رہا تھا کہ بھگوان آگئے اور بنیے کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگے، مانگ کیا مانگتا ہے؟ بنیے نے کہا بھگوان آپکا وچن مانگتا ہوں، تو بھگوان کہنے لگے: اے بنیے ہم تیرے خیال کو جانتے ہیں، تو نے وظیفہ جو پڑھا ہے اس لئے پڑھا ہے کہ مجھ سے دو چار لاکھ روپیہ مانگے گا، اس کے بعد ایک موٹر خریدے گا اور پھر پورے ہندوستان کی یاترا کرے گا اور سامنے والے بنیے کو جلانے کی نیت سے یہ سب تو نے کیا ہے۔ اس پر بنیا کہنے لگا کہ بھگوان آپ کی بات بالکل صحیح ہے یہی میری نیت ہے اور اسی لئے میں نے یہ وظیفہ پڑھا ہے۔

بھگوان نے کہا اے بنیے! میں تجھے وچن تو دیتا ہوں مگر میری بھی ایک شرط ہے۔ بنیے

نے کہا بھگوان آپ کی کیا شرط ہوگی؟ بھگوان نے کہا تو جو کچھ مانگے گا اور جتنا مانگے گا اس سے ڈبل سامنے والے بنیے کو دوں گا۔ اب جو کچھ تجھے مانگنا ہو مانگ لے۔ بھگوان کی یہ بات سنکر بنیا تو حیران رہ گیا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا اگر میں چار لاکھ مانگتا ہوں تو بھگوان اس بنیے کو آٹھ لاکھ روپیہ دیں گے، چالیس دن محنت میں نے کی اور مال سامنے والا بنیا لے جائیگا، کہاوت ہے "بھگن جمن متھا بنائے، ملھن کلیا کھائے" وہی مثال میری ہے محنت سب میری ہے اور مال مجھ سے زیادہ دشمن لے جاتا ہے، بنیا خوب سوچنے لگا اور سوچ سمجھ کر بھگوان سے پھر پوچھا بھگوان سامنے والے بنیے کو کیا آپ سچ مچ ڈبل دوگے؟ بھگوان نے کہا بالکل ڈبل دوں گا، تجھے مانگنا ہو تو جلدی سے مانگ لے ورنہ میں تو یہ چلا۔ اس پر بنیے نے کہا اچھا بھگوان ایسا کرو کہ میری ایک آنکھ پھوڑ دو اور اس سامنے والے بنیے کی دونوں آنکھیں پھوڑ دو، میری ایک آنکھ بچے گی اس سے میری دوکان کا کام چلتا رہے گا اور سامنے والے بنیے کی دونوں آنکھیں پھوٹ جائیں گی تو وہ اندھا ہو جائیگا پھر تو اس کی دوکان ہی بند ہو جائیگی۔

فائدہ

حسد کہتے ہیں دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا کرنے کو۔ اس تمنا کی وجہ سے نعمت زائل ہو یا نہ ہو اتنا ضرور ہوتا ہے کہ حاسد حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے، من جانب اللہ اس پر یہ عذاب ہوتا ہے۔ اس لطیفے میں کس قدر عبرت کی بات ہے کہ حاسد اپنے پڑوسی کی خوشحالی سے اس قدر رنجیدہ ہے کہ اپنی ایک آنکھ سے محرومی برداشت کرنے کے لیے تیار ہے اس شرط پر کہ پڑوسی کی دونوں آنکھیں پھوٹ جائیں۔ یہ عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔ اللھم احفظنا منہ

☆☆☆☆

(۳۵)

حضرت جبرئیل و میکائیل نے ہنٹر مار کر کھانا کھلایا

تین دوست تھے، تینوں میں ایک مسلمان دوسرا عیسائی اور تیسرا یہودی تھا۔ تینوں گہرے دوست تھے اور ایک ہی کارخانے میں کام کرتے تھے، اتفاق سے کارخانے میں پندرہ دن کی چھٹی پڑ گئی تو تینوں ایک ساتھ تفریح کے لئے کار میں گھومنے چلے، گھومتے گھامتے چودہ دن ہو گئے تھے، آخری ایک دن بچا تھا، شام کو ایک جگہ قیام کیا اور رات وہیں رکنے کا ارادہ کر لیا کھانے پینے کا سامان ساتھ میں تھا، تینوں دوست میں سے ایک نے کہا کھانا تو دیکھو کتنا بچا ہے؟ جب دیکھا تو ایک آدمی کھا سکے اتنا بچا تھا، مسلمان دوست نے کہا آج ایک شرط لگا لو عیسائی دوست نے پوچھا کیسی شرط؟؟ اس نے کہا ہم تینوں سو جائیں اور جس کو اچھا خواب آئے وہ یہ کھانا انعام کے طور پر کھا جائے۔ اس شرط پر یہودی دوست بھی ان دونوں کے ساتھ متفق ہو گیا اور کہا بالکل ٹھیک ہے، یہ اچھی شرط ہے، یہ طے کر کے تینوں دوست لیٹ گئے اور انکے ناک کے خراٹے بجنے لگے، مسلمان جگ رہا تھا، خالی پیٹ نیند کہاں آوے، بہر حال وہ اٹھا، اور اطمینان سے کھانا کھایا، کھا کر پھر سو گیا اور خراٹے لینے لگا، عیسائی اور یہودی کی جب آنکھ کھلی تو ان لوگوں نے اپنے مسلمان دوست کو جگانا شروع کیا اب وہ کاہے کو اٹھے وہ تو ڈٹ کر اکیلے ہی کھانے پر ہاتھ مار چکا تھا، بہت جگانے پر وہ اٹھا تو دونوں نے کہا اپنا اپنا خواب بیان کرو۔ پہلے یہودی نے بیان کرنا شروع کیا، اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر باتیں کر رہا ہوں۔ سب نے کہا ماشاء اللہ بہت اچھا خواب ہے۔ یہ سنکر عیسائی کہنے لگا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے آسمان پر باتیں کر رہا ہوں۔ جس کو اچھا خواب

نظر آئے اس کو انعام میں کھانا ملنے والا تھا تو گھٹیا خواب کون بیان کرے، ان دونوں کا خواب سن کر مسلمان سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگا۔ ان دونوں دوستوں نے کہا آپ اپنا خواب تو بیان کیجئے۔ وہ تو کھانا کھا کر سویا تھا اس وجہ سے سوچ میں پڑ گیا کہ میں کیا بیان کروں۔ بہر حال سوچ کر مسلمان نے اب اپنا خواب بیان کرنا شروع کیا اور کہا بھائی صاحب ہم تینوں سو گئے اور جب مجھے گہری نیند آ گئی تو دو فرشتے جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام نے آکر مجھے جگایا میری آنکھ کھلی تو دیکھا دونوں کے ہاتھ میں ہنٹر ہے اور کہا یہ کھانا کھا جاؤ ورنہ ہنٹر سے ماریں گے۔ یہ سنکر میں گھبرا گیا اور ان کے کہنے پر کھانا کھا لیا، یہ سن کر عیسائی اور یہودی سمجھ گئے کہ یہ کھانا کھا کر سویا ہے اور اپنی طرف سے بات بنا کر کہہ رہا ہے۔ دونوں نے کہا ارے بھائی صاحب آپ کھانا کھا گئے تو بھلے ہی کھا گئے، اگر ہم کو بھی آواز دیتے تو ہم بھی دو چار لقمہ کھا لیتے اس پر مسلمان دوست نے کہا میں نے آپ صاحبوں کو آوازیں تو بہت دیں لیکن ایک کوہ طور پر تھا اور دوسرا پہلے آسمان پر، اس وجہ سے میری آواز آپ صاحبوں تک پہنچی نہیں، آپ صاحبان بہت دور چلے گئے تھے۔

فائدہ

مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے جو سر بلندی عطا فرمائی ہے بہر حال وہ ہر جگہ نمایاں رہتی ہے، اس واقعہ میں بھی یہ چیز نمایاں ہے۔

☆☆☆☆

(۳۶)
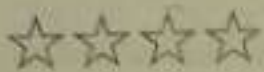
﴿تم صبر کرو میں نہیں کروں گا﴾

ایک تاجر تھا، جو اپنے ملک سے دوسرے ملک میں تجارت کے لئے گیا تھا اور اپنا ایک منشی جس پر اس کو اعتماد تھا اپنے ساتھ لے گیا۔ تجارت کی لائن میں سیٹھ ماہر فن تھا، دو تین سال کی تجارت میں سیٹھ نے بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی، شہر کے بیچ بیچ دوکان لی تھی وہ بہت اچھے پیمانے پر چل رہی تھی۔ سیٹھ کا منشی صبح آٹھ بجے دوکان کھول دیتا تھا اور ڈاک دس بجے آتی تھی، سیٹھ صاحب دوکان پر گیارہ بجے آتے تھے۔ ایک روز ڈاک آئی تو ایک خط میں لکھا تھا کہ آپ کے لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ منشی خط پڑھ کر بہت اداس ہو گیا۔

گیارہ بجے جب سیٹھ صاحب دوکان پر آئے تو دیکھا کہ منشی بہت اداس بیٹھا ہوا ہے، سیٹھ صاحب نے منشی سے پوچھا منشی جی کیا بات ہے؟ آپ اداس کیوں بیٹھے ہیں؟ منشی جی نے کہا لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے، منشی جی کو سیٹھ صاحب سمجھانے لگے: اللہ کا مال ہے جب چاہے لے لے۔ ہم کو ہر حالت میں صبر کرنا چاہئے، آپ کے لئے وہ بچہ شفاعت کا سبب بن گیا، اس لئے کہ جو چھوٹے بچے مر جاتے ہیں اور ماں باپ صبر کرتے ہیں تو وہ بچے ماں باپ کی حشر کے میدان میں شفاعت کریں گے۔ سیٹھ صاحب ان الفاظ سے منشی جی کو تسلی دینے لگے، جب سیٹھ صاحب منشی جی کو خوب سمجھا چکے تو منشی جی نے کہا میرا لڑکا نہیں مرا ہے آپ کا لڑکا مر گیا ہے اب تو سیٹھ صاحب دہاڑیں مار مار کر رونے لگے اور سینہ پیٹنے لگے۔

فائدہ

اس زمانے میں عوام و خواص سب کا یہی حال ہے کہ دوسروں کو خوب وعظ و نصیحت

کرتے ہیں، لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو بھاگ لیتے ہیں جو ایک طرح کا نفاق ہے، قرآن کریم میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے، ارشاد باری ہے:

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ البقرہ ۴۴

(کیا تم حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو اور تم تو پڑھتے ہو کتاب، پھر کیوں نہیں سوچتے ہو)

☆☆☆☆

(۳۷)

﴿گھی والی روٹی اور چوہا﴾

ایک عورت تھی۔ اس کے مکان میں ایک چوہا رہتا تھا، وہ چوہا اس عورت کو بہت پریشان کرتا تھا، اس کے کپڑے وغیرہ کاٹ ڈالتا تھا، ایک روز عورت بازار گئی اور چوہے کی پریشانی سے بچنے کے لیے چوہے دانی خرید لائی اور چوہے دانی پر گھی لگا کر رکھ دیا۔ جب رات ہو گئی اور گھر میں ہر طرف سناٹا ہو گیا تو چوہا اپنے بل سے نکل کر باہر آیا، اچانک اس کو گھی والی روٹی کی خوشبو آئی، اب چوہا گھر میں ادھر اُدھر پھر رہا ہے، گھوم رہا ہے کہ یہ گھی والی روٹی کی خوشبو کہاں سے آرہی ہے گھومتے پھرتے ایک جگہ چوہے دانی نظر آئی اور اس میں گھی والی روٹی لٹک رہی تھی، چوہا قریب گیا اور چاروں طرف پنجرے کے چکر لگانے لگا کہ اندر کیسے گھسیں؟ ایک طرف اسکو راستہ مل ہی گیا۔ چوہا بہت خوش ہوا کہ راستہ تو ملا گھی والی روٹی تک پہنچنے کا، اب چوہا اندر داخل ہو کر بہت خوش ہوا اور بڑے اطمینان سے خوشی خوشی روٹی کھانے لگا، جب روٹی کھا چکا تو سوچا کہ اب واپس چلیں، لیکن وہ

داخل ہونے والا دروازہ تو اندر داخل ہونے کے بعد فوراً ہی بند ہو گیا تھا، ادھر اُدھر نکلنے کے لئے منہ مارنے لگا مگر نکلنے کا راستہ نہ ملا اور صبح ہو گئی، عورت سو کر اٹھی اور پنجرے کو دیکھا تو اس میں خوب موٹا چوہا پھنسا تھا، عورت نے اپنے بچے کو دکھایا اس کا نام محمد حنیف تھا اور اس سے کہا دیکھو تو چوہے دان میں کتنا موٹا چوہا آ گیا ہے، وہ اٹھا اور چوہے کو دیکھ کر گھر سے باہر نکلا، اپنے دو چار دوستوں کو بلایا اس عورت کے ایک لڑکی بھی تھی اس کا نام زینب تھا اس کو بھی دکھایا اور کہا دیکھو تو پنجرے میں کتنا موٹا چوہا آیا ہے۔ چوہے کو دیکھ کر وہ بھی گھر سے باہر نکلی اور دو چار اپنے سہیلیوں کو بلا لائی۔ یہ سب بچے اور بچیاں ہاتھ میں لوہے کا سریا یعنی تیلی لے کر اس چوہے دان کا گھیراؤ کر کے بیٹھ گئے، جب لڑکے چوہے کو مارتے ہیں تو چوہا لڑکیوں کی طرف چلا جاتا ہے اور دل ہی دل میں کہتا ہے کہ گھی والی روٹی تو کھالی مگر بری طرح پھنسا، اگر یہاں سے ایک مرتبہ نکل جاؤں تو دوبارہ اپنی ساری زندگی گھی والی روٹی نہ کھاؤں گا۔

فائدہ

آج دنیا میں جو لوگ حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر جو کچھ ملے سب ہڑپ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں قیامت کے دن ان کا یہی حال ہو گا کہ جب اللہ کے عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو کہیں گے اے اللہ ہم کو کسی طرح ایک مرتبہ دنیا میں واپس بھیج دیجئے، ہم کسی پر قطعاً ظلم و زیادتی نہیں کریں گے، کسی کے مال کو ہڑپ نہیں کریں گے اور پکے مومن و ایمان دار بن کر آئیں گے۔ مگر لوٹنا نصیب نہ ہو گا۔

اس لیے اس زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہیے اور آخرت کی تیاری موت سے پہلے کر لینی چاہیے ورنہ پھر پچھتاوے کیا ہووت ہے جب چڑیا چگ گئی کھیت!!

☆☆☆☆

(٣٨)

میں شہد چاٹ رہا تھا اور تم گو

ایک پیٹ بھرو پیر صاحب تھے وہ ہر سال ایک بار اپنے مریدوں کے پاس جاتے۔ ایک چودھری صاحب بھولے بھالے آدمی تھے وہ اس پیر کے مرید تھے، پیر صاحب ہر سال اس کے یہاں جاتے تھے۔ ایک مرتبہ پیر صاحب کی موجودگی میں چودھری نے خواب دیکھا صبح میں چودھری اپنے پیر صاحب سے اپنا خواب بیان کرنے لگا اور کہنے لگا حضرت جی آج رات مجھے عجیب قسم کا خواب آیا، پیر صاحب نے کہا بیان کرو بیٹا کیا خواب تھا؟ چودھری نے اپنا خواب بیان کرنا شروع کیا اور کہنے لگا۔

خواب میں میں نے دیکھا کہ آپکے ہاتھ مبارک کہنیوں تک شہد سے بھرے ہوئے ہیں اور اس میں سے شہد ٹپک رہا ہے، پیر صاحب یہ سنکر بہت زور سے ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم تو آخرت کے چاہنے والے ہے، ہمارے ہاتھ سے شہد ہی ٹپکے گا۔

چودھری نے کہا حضرت جی ابھی میرا خواب پورا نہیں ہوا ہے، پیر صاحب نے کہا ہاں بیٹا پھر کیا ہوا بیان کرو، چودھری نے کہا حضرت جی میں نے خواب میں یہ بھی دیکھا کہ میرے ہاتھ کہنیوں تک گو سے بھرے ہوئے ہیں اور اس میں سے گو ٹپک رہا ہے۔ پیر صاحب اپنا منہ بگاڑ کر کہنے لگے بیٹا تم لوگ دنیا کے چاہنے والے ہو اس وجہ سے تمہارے ہاتھ سے گو ہی ٹپکے گا۔

چودھری نے کہا حضرت جی ابھی میرا خواب پورا نہیں ہوا ہے، اس پر پیر صاحب نے کہا اچھا بیٹا پھر کیا ہوا چودھری نے کہا کہ آپ کے شہد والے ہاتھ میں چاٹ رہا تھا اور میرے گو والے آپ چاٹ رہے تھے۔

پیر صاحب یہ سن کر بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے تو بڑا بے وقوف معلوم ہوتا ہے ایسا کیسا خواب تھا۔ چودھری نے کہا حضرت جی آپ میرے اوپر غصہ نہ ہوئیے خواب تو ایسا ہی تھا جیسا میں نے بیان کیا۔

فائدہ

یہ مثال ہے ان دنیادار علماء اور مشائخ کی جو دنیا کے حصول کی خاطر لوگوں کو دین کی باتیں بتاتے ہیں، جو لوگ ان کی باتیں سنتے ہیں وہ ان پر عمل کر کے اپنی آخرت سنوارتے ہیں اور جنت حاصل کرتے ہیں، جس کو تشبیہ دی گئی شہد سے۔ اس کے برخلاف دین کی بات بتانے والے عالم یا پیر کا مقصد چونکہ دنیا اور دولت تھی، اس لیے اس کو دنیا تو دے دی جاتی ہے جس کی مثال آخرت کے مقابلے میں گوبر سے زیادہ کی نہیں ہے، لیکن ثواب سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

خواب کا حاصل یہ ہوا کہ مرید اس پیر سے دین حاصل کر کے اپنی آخرت سنوار رہا تھا اور پیر اس مرید سے دنیا اور دولت حاصل کر رہا تھا۔

☆☆☆☆

(۳۹)
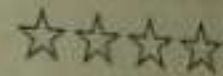
گیدڑوں میں کمبل تقسیم کردو

ایک بادشاہ تھا بہت ہی بھولی طبیعت کا۔ اس نے شہر سے باہر رہنے کے لئے ایک محل بنوایا، جب محل بن کر تیار ہو گیا تو بادشاہ سلامت اس میں رہنے کے لئے گیا، جب رات ہوئی تو

گیدڑوں کے چلانے کی بہت آوازیں آنے لگیں۔ بادشاہ نے وزیر کو بلا کر پوچھا کہ یہ گیدڑ کیوں روتے ہیں، وزیر بڑا ہی چالاک آدمی تھا، اس نے کہا حضور گیدڑ غریب بیچارے سردی کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ اتفاق کی بات کہ سردی کا موسم بھی تھا کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ بادشاہ نے کہا کہ ان سب گیدڑوں کو ایک ایک کمبل ہماری طرف سے پہنچا دو۔ وزیر نے کہا اچھا حضور کل آپ کے حکم کے مطابق سب گیدڑوں کو ایک ایک کمبل پہنچا دوں گا۔

دوسرے دن وزیر نے ایک ہزار کمبل خرید کر اپنے گھر بھیج دیئے۔ اب جب دوسری رات ہوئی تو پھر وہی گیدڑوں کی آوازیں آنے لگیں۔ بادشاہ نے وزیر کو بلا کر پوچھا کہ تم نے گیدڑوں کو کمبل نہیں پہنچایا، وزیر نے کہا حضور سب گیدڑوں کو ایک ایک کمبل پہنچا دیا، بادشاہ نے کہا پھر یہ گیدڑ کیوں روتے ہیں، وزیر نے کہا حضور اب یہ گیدڑ رو نہیں رہے ہیں بلکہ آپ کے لئے دعا کر رہے ہیں، اس پر بادشاہ نے کہا تو ٹھیک ہے دعائیں کر رہے ہیں تو کرنے دو منع مت کرو۔

فائدہ

نیک اور بھولے بھالے لوگوں کا مال عیار و مکار قسم کے لوگ اسی طرح دھوکہ دے کر کھا جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے کس طرح بیوقوف بنا کر مال حاصل کر لیا، مگر اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ایک پائی کا حساب دینا پڑے گا۔

☆☆☆☆

(۴۰)
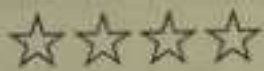
قدم درویش تو گھس بلا

ایک نقلی پیر صاحب تھے، وہ ہر سال اپنے مریدوں کے یہاں جایا کرتے تھے، جو مرید زیادہ چاہنے والا ہوتا ہے، اس کے یہاں ایسے پیر زیادہ رکتے ہیں، کیونکہ کھانے پینے کا انتظام بہ البتہ اپنے گھر سے بہت اچھا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض پیر بعض مریدوں کے یہاں ہفتوں پڑے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے صرف دو کام ہوتے ہیں، ایک تو مریدوں سے چندہ جمع کرنا، دوسرے اچھا اچھا مال میوہ کھاتے رہنا۔

یہ نقلی پیر صاحب بھی اسی طرح اپنے ایک مالدار مرید کے گھر گئے اور ہفتوں وہیں جمے بیٹھے رہے، ایک دن مرید اپنے پیر صاحب کے پاس بیٹھ کر رونے لگا۔ مرید کے رونے سے پیر صاحب گھبرا گئے اور پوچھنے لگے بیٹا کیا بات ہے، روتے کیوں ہو، مرید نے روتے روتے کہا حضرت جی آپ چلے جائیں گے تو دوبارہ میرے گھر نہیں آئیں گے۔ پیر صاحب نے کہا بیٹا میں ضرور آؤں گا تم روتے کیوں ہو، خدا کی قسم میں یقیناً آؤں گا، آپ میری اتنی خدمت کرتے ہیں اور میں آپ کے یہاں نہ آؤں یہ ہو نہیں سکتا، میں تو ہر سال آتا ہوں اور ہر سال کے مطابق آتا رہوں گا، آپ کو رونے کی ضرورت نہیں۔ تو مرید روتے روتے کہنے لگا: حضرت جی! پہلے جاؤ بھی تو، جب جاتے نہیں تو آؤ گے کیسے۔ اللہ کے واسطے یہاں سے دوسری جگہ کہیں جائیے، ہم آپ کی خدمت کریں کہ اپنا کاروبار اور گھر کا کام۔ لہٰذا اب آپ جائیے اور ہم کو نجات دیجئے تاکہ ہم اپنے کام کاج کر سکیں۔

فائدہ

ایک زمانہ تھا کہ لوگ تمنا کرتے تھے کہ کسی نیک اللہ والے درویش کے قدم مبارک گھر میں پڑ جائیں تو برکت آ جائے اور بلا دور ہو جائے، چنانچہ کہا کرتے تھے "قدم درویش تو رد بلا"۔ اس زمانے میں دنیادار اور کھاؤ پیروں سے لوگ اس قدر عاجز آ گئے کہ پناہ مانگتے ہیں کہ کہیں پیر صاحب نہ آ جائیں ورنہ ہزاروں کا چونا لگا دیں گے اور اب کہتے ہیں "قدم درویش تو گھس بلا"۔ ناس ہو اس دنیاداری کا جو صلحاء و اولیاء کے لباس میں آ کر لوگوں کو دین سے متنفر اور نیک بندوں سے بدظن کر رہی ہے۔

☆☆☆☆

(۴۱)
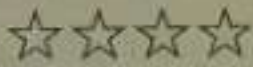
مارے گھٹنہ پھوٹے سر

ایک نواب صاحب تھے، ان کے یہاں کچھ مہمان آ گئے تھے، مہمانوں کے ساتھ کھانے پر اپنے دوسرے دوستوں کو بھی نواب صاحب نے بلا لیا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب کے سب ایک کمرے میں بیٹھ کر اپنی اپنی بڑائی کی باتیں کرنے لگے، باتوں باتوں میں اتفاق سے شکار کی بات چھڑ گئی تو جس کے گھر میں یہ محفل جمی تھی اس نواب نے کہا کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایک روز شکار کو گیا، میری نظر ہرن پر پڑ گئی میں نے اس کو جو گولی ماری تو وہ گولی ہرن کا سر توڑ کر اس کی کھری کو پھاڑتے ہوئے نکل گئی۔

ہرن کے پیر کے ناخن کو کھری کہتے ہیں۔ اس محفل میں ایک حق پرست آدمی بیٹھا ہوا تھا، اس نے نواب صاحب کے کہنے پر اعتراض کیا اور کہا نواب صاحب ہرن کا سر اوپر ہوتا ہے اور اس کی کھری نیچے ہوتی ہے، آپ کی گولی سر اور کھری دونوں کو کیسے زخمی کر سکتی۔ اس کے سوال پر نواب صاحب سہم گئے، کوئی جواب نہیں بن پایا، نواب کا ایک دوست اس کی ہاں میں ہاں ملانے والا بیٹھا تھا، اس نے نواب صاحب کی طرف سے جواب دینا شروع کیا اور نواب صاحب کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا، حضرت جی آپ کا کہنا بالکل صحیح ہے، آپ نے جب ہرن کے گولی ماری اس وقت میری نظر ہرن پر تھی، جس وقت آپکی بندوق سے گولی چھوٹی اتفاق سے اس وقت ہرن اپنی کھری سے سر کھجلا رہا تھا، اسی وقت گولی لگی تو سر پھوڑتے ہوئے کھری توڑ کر گولی چلی گئی۔ دوست کی طرف سے یہ جواب لاجواب سنکر نواب صاحب بھی حیرت میں رہ گئے کہ اس دوست نے میری بات کو صحیح کرنے کے لئے ایسا فٹ بٹھا دیا کہ میری بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

فائدہ

خوشامد اور چاپلوس قسم کے درباریوں نے ہمیشہ نوابوں اور بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے ان کے حق و ناحق ہر فیصلے اور سچ و جھوٹ ہر بات کو صحیح ثابت کر کے اپنی عاقبت برباد کی، یہ واقعہ بھی اسی طرح کی ایک مثال ہے، جس سے یہ مثل مشہور ہوئی ہے "مارے گھٹنہ پھوٹے سر"۔

☆☆☆☆
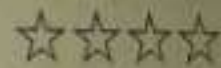
(۴۲)

چودھری صاحب کا انشاء اللہ

ایک چودھری صاحب تھے، انکو ایک بہت عمدہ بیل خریدنے کا شوق ہوا تو وہ ایک ہزار روپیہ جیب میں ڈال کر بیل منڈی کی طرف چلے، جس زمانے میں پچاس روپے میں بیل مل جاتا تھا اس زمانے کی بات ہے۔ راستے میں ایک چوراہے پر مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ چودھری کی نظر مولوی صاحب کے اوپر پڑی تو بہت زوردار سلام داغا، مولوی صاحب نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا: چودھری صاحب! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ چودھری خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا تھا، جواب میں کہا ایک ہزار کا بیل خریدنے جا رہے ہیں، تو مولوی صاحب نے کہا چودھری صاحب ذرا انشاء اللہ کہہ لو، یہ سنکر چودھری صاحب ناراض ہو گئے اور کہنے لگے مولوی صاحب آپ صاحبوں نے تو ہمیں مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ یوں کرو تو الحمد للہ کہو ایسا ہو تو سبحان اللہ کہو، اس طرح ہو جائے تو استغفر اللہ پڑھو، کوئی ہمدردی کرے تو جزاک اللہ کہو۔ ارے بھائی! ہم دنیادار آدمی ہیں آپ صاحبوں کی بات کی پابندی ہم سے نہیں ہو سکتی، پیسے جیب میں ہیں جانور کی منڈی سامنے ہے، ابھی ہم جا کر خرید لیں گے اس میں انشاء اللہ کہنے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔

چودھری کے یہ الفاظ سن کر مولوی صاحب خاموش ہو گئے کچھ بولے نہیں کیونکہ چودھری کا معاملہ تھا اگر زیادہ چودھری صاحب کو سمجھایا جائے تو ناراض ہو جائیں گے اور امامت سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔ جانوروں کی منڈی قریب ہی تھی، چودھری نے منڈی کا دو چار چکر لگایا ایک جگہ بیل پسند آ گیا اور ایک ہزار روپے میں معاملہ طے ہو گیا تو منشی کے پاس لکھائی کے لیے

گئے، اب کھائی ہوگئی اور آمنے سامنے دستخط ہوگئے تو منشی صاحب نے کہا چودھری صاحب روپے لائیے، ان کے کہنے پر چودھری نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو روپے ندارد، جیب کٹ چکی تھی اب تو چودھری صاحب بہت گھبرائے اور کہنے لگے منشی صاحب انشاء اللہ میرا جیب کٹ گیا ہے میں کیا کروں، انشاء اللہ اب تو میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ انشاء اللہ کہنے کی بھرمار کردی، جب انشاء اللہ کہنے کا وقت تھا اس وقت نہیں کہا، اب انشاء اللہ کہنے سے کیا فائدہ جو کہنے کا وقت تھا ختم ہو گیا تھا۔

فائدہ

درحقیقت ہم سب دین پر بھی عمل دنیا کے لیے کرتے ہیں، نماز روزے اس لیے ادا کرتے ہیں کہ دنیا ملے، چنانچہ بہت سے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی دنیاوی مصیبت آجاتی ہے تو کہتے ہیں کہ بہت نماز روزہ کیا مگر کیا ہوتا ہے، دیکھو مصیبت تو آ گئی۔ اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ اللہ اپنے نیک بندوں کو آلام ومصائب میں مبتلا کر کے آخرت میں اس کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔

مومن دنیا میں اسباب اختیار کرتا ہے لیکن اس کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو کام ہوگا ورنہ نہیں۔ اس لیے ایک مومن کو چاہیے کہ جب کسی کام کا قصد کرے تو انشاء اللہ کہہ لے۔

☆☆☆☆
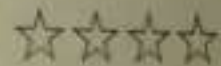
(۴۳)

﴿تو نے اپنے اعتبار سے مانگا میں نے اپنے اعتبار سے دیا﴾

ایک بڑھیا تھی جو اکیلی رہتی تھی، اتفاق سے ایک روز حاتم طائی کسی کام سے ادھر چلے گئے، بڑھیا کو جب پتہ چلا کہ حاتم طائی آئے ہوئے ہیں تو ان کے پاس پہنچی اور کہنے لگی بیٹا میں بڑھیا ہوں میرا کوئی کمانے والا نہیں ہے، تنہا رہتی ہوں مجھے پانچ کلو شکر آپ دے جائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ حاتم طائی نے کہا اچھا امی انشاء اللہ دے جاؤں گا، حاتم طائی کی سخاوت دنیا میں مشہور ہے۔ وہ اس بڑھیا کے لئے پانچ من شکر لے کر آئے اور بولے: لو امی! یہ آپ کے لئے شکر لایا ہوں۔ بڑھیا نے پانچ من شکر دیکھ کر کہا ارے بیٹا یہ تو بہت ہے میں نے تو پانچ کلو شکر مانگی تھی، آپ پانچ من کیوں لائے، تو حاتم طائی نے جواب دیا آپ نے اپنی شان کے مطابق مانگا تھا میں اپنی شان کے مطابق لایا ہوں۔

فائدہ

یہی حال سخیوں کے سخی رب ذوالجلال کا ہے کہ وہ بھی مومنوں کو آخرت میں ثواب اپنے اعتبار سے دیں گے کہ ایک نیکی کا بدلہ سات گنا سے لیکر سات سو گنا تک دیں گے۔ فللّٰہ الحمد والشکر لہ۔

☆☆☆☆

(۴۴)
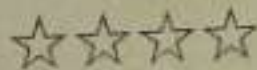
خنثٰی مچھلی

دریا کے کنارے ایک مدرسہ تھا، عصر اور مغرب کے درمیان استاذ بچوں کو چھٹی دیا کرتے تھے، اب وہ چاہے کھیلیں یا پڑھیں یا تفریح کریں ہر طرح کی اجازت ہوتی تھی۔ ایک دن مدرسے کے دو بچے دریا کے کنارے کنارے تفریح کرتے جارہے تھے، اتفاق سے ایک جگہ ایک مچھیرا مچھلی مار رہا تھا، دونوں بچے وہاں کھڑے ہوگئے اور دیکھنے لگے کہ مچھلی کس طرح پھنستی ہے، مچھیرے کو تین مچھلی اسی وقت ملی تو اس نے ایک ایک مچھلی دونوں بچوں کو دیدی اور ایک اپنے پاس رکھ لی، پھر کہنے لگا کہ بچو آپ کس مسئلہ پر بحث کر رہے تھے وہ مجھے سمجھا دو تو یہ تیسری مچھلی بھی آپکو دیدوں گا۔ بچوں نے کہا ہمارا سبق میراث کا چل رہا ہے اور استاذ نے ہم کو یہ سمجھایا ہے کہ کسی کے دو بچے ہوں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تو لڑکے کو میراث میں دو حصے دیئے جائینگے اور لڑکی کو ایک حصہ دیا جائیگا۔ ہم سوچ رہے ہیں کہ کسی انسان کے تین بچے ہوں ایک لڑکا ایک لڑکی اور ایک خنثٰی (یعنی ہجڑا) تو اس خنثٰی کو کیا دیا جائے گا، لڑکے والا حصہ دیا جائیگا یا لڑکی والا؟ یہ تو استاذ نے ہم کو بتایا نہیں، اسی پر ہم دونوں بحث کر رہے ہیں۔ مچھیرے نے وہ تیسری مچھلی بھی ان بچوں کو دیدی۔

خنثٰی ہجڑے کو کہتے ہیں جو نہ مرد ہو نہ عورت، اس مچھیرے کو اس مسئلے سے کوئی دل چسپی تھی نہ اس کو اس مسئلہ کی ضرورت، پھر بھی اس نے ان طالب علموں پر رحم کھا کر تیسری مچھلی بھی دیدی، اس مچھیرے کی ادا اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی اور چند دنوں کے بعد ایک اتنی خوبصورت مچھلی اس مچھیرے کے جال میں پھنسی کہ اس کے دیکھتے ہی مچھیرے کی زبان سے سبحان اللہ نکل

گیا، اس نے سوچا اس مچھلی کو اگر بازار میں بیچوں گا تو زیادہ سے زیادہ دس یا بیس روپیہ ملیں گے اور اگر بادشاہ کو ہدیہ میں دوں گا تو بطور انعام کے پچاس یا سو روپے مل جائیں گے۔ یہ سوچ کر ایک بہترین کپڑے میں اس مچھلی کو لپیٹ کر بادشاہ کے دربار میں گیا اور اپنا نذرانہ پیش کیا، بادشاہ نے جب مچھلی کو دیکھا تو اس کی زبان سے بھی بے ساختہ سبحان اللہ نکل گیا اور وزیر کو حکم دیا کہ اس مچھیرے کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے۔ جب مچھیرے کو ایک ہزار روپیہ بطور انعام مل گیا تو مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا تھا اور سیدھے گھر کا راستہ لیا۔

بادشاہ کے حکم سے مچھیرے کو ایک ہزار روپیہ دینے کا جب حکم ہوا تھا تو بادشاہ کی بیوی بھی بادشاہ کے بغل میں بیٹھی ہوئی تھی، اس نے بادشاہ سے کہا ایک مچھلی پر ایک ہزار روپیہ بھی کہیں انعام دیا جاتا ہے؟ اسی طرح سے اگر آپ انعام دیتے رہے تو خزانہ ہی خالی ہو جائیگا۔ لہٰذا اس مچھیرے سے وہ روپیہ واپس لے لیا جائے، تو بادشاہ نے کہا کہ انعام دینے کے بعد واپس میری شان کے خلاف ہے، بیوی نے کہا آپ کی شان میں کوئی کمی بھی نہیں آئیگی اور روپیہ بھی مل جائیگا۔ بادشاہ نے کہا بتلاؤ وہ کیا ترکیب ہے؟ بیوی صاحبہ نے کہا کہ آپ اس مچھیرے کو واپس بلائیں اور اس سے پوچھیں کہ یہ مچھلی ہے یا مچھلا۔ اگر مچھیرا مچھلی کہے تو آپ کہئے ہم کو مچھلے کی ضرورت ہے اور اگر مچھلا کہے تو اس سے کہئے ہم کو مچھلی کی ضرورت ہے۔ اس طرح سے وہ روپیہ واپس مل جائیگا اور آپ کی شان میں کوئی فرق بھی نہیں آئیگا۔ بیوی کی یہ بات سنکر بادشاہ حیرت میں پڑ گیا۔ بہر حال بیوی کا مشورہ بادشاہ نے مان لیا اور پھر اگر بیوی کی بات نہ مانی جائے تو گھر ہی جہنم بن جاتا ہے، اس بات کا تو سب کو تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ بہر حال بادشاہ نے مچھیرے کو بلانے کا حکم دیدیا، مچھیرے کو جب داروغہ بلانے گیا تو مارے خوف کے دربار میں آکر بادشاہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا، بادشاہ نے جلال میں آکر کہا اے مچھیرے یہ جو تم ہمارے لئے ہدیہ لائے

ہو وہ مچھلی ہے یا مچھا، اس مچھیرے کو وہ دریا والا مسئلہ یاد آگیا فوراً جواب میں کہا حضور یہ تو خنثی
ہے (ہجڑا)۔ اس کی اس حاضر جوابی پر اور ایسا انوکھا جواب سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا حکم دیا کہ اس
کو ایک ہزار روپیہ اور انعام دیا جائے۔

فائدہ

اللہ تعالیٰ کو کس کی کون سی ادا پسند آجائے اور اسے کس انعام کا سبب بنادے کچھ پتا
نہیں، اس لیے بندے کو چاہیے کہ خیر و بھلائی کا کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دے۔ دیکھا
آپ نے کہ اس مچھیرے نے طالب علموں کے ساتھ ایک معمولی بھلائی کی اللہ تعالیٰ نے اس
کے بدلے کس قدر دولت سے نوازا، مچھیرے کو اس کا گمان بھی نہ تھا۔ افسوس ان لوگوں پر جو
طالبان علوم نبوت کو ذلیل سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ بھلائی نہیں کرتے۔

نیز اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ دین کی جو بات بھی حاصل ہو سکے اسے حاصل
کرنے سے چوکنا نہیں چاہیے، کبھی نہ کبھی ضرور کام آئے گی۔ طالب علموں سے اس مچھیرے
نے ایک ایسا مسئلہ سنا تھا کہ بظاہر اس کی زندگی میں کبھی بھی اس کی ضرورت نہ پڑتی، لیکن یہ سنی
سنائی بات آج اس کے اس قدر کام آئی کہ اسی کی وجہ سے اس کا انعام بچا، ورنہ ملی ملائی دولت
ہاتھ سے جا چکی تھی۔

☆☆☆☆

(۴۵)

سخاوت اسے کہتے ہیں

دو بھائی تھے، دونوں کا کھیتی باڑی کا کام تھا، دونوں کا آپس میں بٹوارہ ہو چکا تھا، جب
دھان کا موسم آتا تو دونوں بھائیوں کا علیحدہ علیحدہ دھان کا ڈھیر لگ جاتا، ایک دن دونوں بھائی
ڈھیر کے پاس موجود تھے۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے کہا کہ تم گھر جا کر کھانا کھا کر آجاؤ
تو میں کھانے جاؤں۔ بڑے بھائی کے کہنے سے جب چھوٹا بھائی چلا گیا تو بڑے بھائی کو احساس
ہوا کہ بھائی ہم سے چھوٹا ہے، اس میں پوری سمجھ نہیں ہے، پانچ روپے خرچ کرنے کی جگہ دس
روپیہ خرچ کردیتا ہے، لہٰذا اس کی مدد کرنی چاہیے۔ یہ سوچکر اپنے دھان کے ڈھیر سے چار پانچ
من دھان اٹھا کر چھوٹے بھائی کے دھان کے ڈھیر میں ڈالدیا۔

جب چھوٹا بھائی کھانا کھا کر آگیا تو بڑے بھائی سے کہا کہ بھائی صاحب اب آپ بھی
گھر جا کر کھانا کھا آئیں تو بڑا بھائی بھی چلا گیا، اب چھوٹے بھائی کے دل میں احساس ہوا کہ
بھائی ہم سے بڑے ہیں، مہمان اور خاندان والے سب انھیں کے گھر آتے جاتے ہیں، ان کا
خرچ ہم سے زیادہ ہے ان کی کچھ مدد کرنی چاہیے یہ سوچ کر چار پانچ من دھان اپنے دھان کے
ڈھیر میں سے نکال کر بڑے بھائی کے دھان کے ڈھیر میں ڈالدیا۔

فائدہ

اللہ رب العزت دل کو دیکھتے ہیں، نہ کہ مال کو، اس نے اس کے مال میں اضافہ کیا اس
نے اس کے، اس طرح دونوں کا مال جوں کا توں رہا اور مفت میں ڈھیروں ثواب دونوں نے کما
لیا۔ اصل سخاوت یہی ہے کہ چھپ کر کی جائے، حدیث میں آیا ہے کہ اس طرح دے کہ اگر

دائیں ہاتھ سے دے تو بائیں کو پتہ نہ لگے بائیں سے دے تو دائیں کو پتہ نہ لگے۔ کاش کہ لوگوں میں اس طرح کا ایک دوسرے کے ساتھ بھلائی کا جذبہ پیدا ہو جاتا تو دنیا بھی جنت بن جاتی۔ افسوس آج لوگوں کا حال یہ ہو چکا ہے کہ اگر اپنا بھائی کا موقعہ پا جائیں تو دوسرے کے مال کو اپنے میں شامل کر لیں اپنے میں سے دینے کا تو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆☆
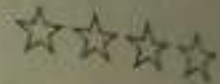
(۴۶)

اصلی نقلی کی پہچان کرنے والا اندھا

ایک راجہ تھا، اس کے پاس ایک اندھا آدمی گیا اور کہنے لگا حضور میں تین باتیں جانتا ہوں۔ راجہ نے پوچھا وہ کون سی باتیں ہیں جو تو جانتا ہے؟ نابینا نے کہا:

(۱) گھوڑوں کی پہچان جانتا ہوں کہ اصلی ہیں یا نقلی۔

(۲) موتیوں کی پہچان جانتا ہوں کہ سچے ہیں یا کھوٹے۔

(۳) آدمی کی پہچان جانتا ہوں کہ کس خاندان سے ہے۔

اس کی یہ باتیں سن کر راجہ نے وزیر سے کہا اس کو رکھ لو کبھی کام آجائے گا اور اس کو روزانہ پانچ سو گرام چاول اور ڈھائی سو گرام دال دیدیا کرو، کھائے گا اور پڑا رہے گا۔ راجہ کے حکم کے مطابق اس کو رکھ لیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد گھوڑوں کا ایک بہت بڑا سوداگر بہت سے گھوڑے لیکر آیا تو راجہ نے درباری نوکروں سے کہا کہ جا کر دیکھو کوئی اچھا گھوڑا ہو تو ہماری سواری کے لئے خرید لو۔

درباری نوکر دیکھنے گئے۔ گھوڑے کے پورے ریوڑ میں ایک گھوڑا پسند کیا تو کسی نے کہا حضور وہ نابینا کہتا تھا کہ میں گھوڑوں کی پہچان جانتا ہوں اس کو یہ گھوڑا دکھلایئے، کئی مہینے سے مفت میں دال چاول کھا رہا ہے، راجہ نے کہا: ارے ہاں ہاں! اس اندھے کو بلا لاؤ، راجہ کے کہنے سے نابینا بلا کر لایا گیا، راجہ نے کہا: اے اندھے! تو کہتا تھا کہ میں گھوڑے کی پہچان جانتا ہوں، ہمارے لئے ایک گھوڑا درباریوں نے پسند کیا ہے اس کو دیکھ تو وہ کیسا ہے۔ نابینا نے کہا حضور! مجھے اس گھوڑے کے پاس پہنچا دیں یا پھر میرے پاس گھوڑا لایا جائے۔ راجہ نے حکم دیا کہ گھوڑا یہاں لایا جائے راجہ کا حکم ہوتے ہی گھوڑے کو لا کر نابینا کے ہاتھ میں اس کی رسی تھما دی گئی، نابینا گھوڑے کے اوپر بہت دیر تک ہاتھ پھیرتا رہا، پھر سمجھ کر کہنے لگا حضور گھوڑا تو بہت اچھا ہے، لیکن پانی میں بیٹھ جائیگا۔ راجہ نے کہا اے اندھے گھوڑا بھی کہیں پانی میں بیٹھتا ہے کیا یہ بھینس ہے جو پانی میں بیٹھ جائے گی۔ نابینا نے کہا حضور اگر آپ ہماری بات نہیں مانتے تو اس گھوڑے کو پانی کی نہر سے گذار کر دیکھ لیجئے۔ راجہ نے نوکروں کو حکم دیا کہ گھوڑے کو فلاں نہر کے پاس لے جاؤ، نوکر جب گھوڑے کو نہر کے پاس لے گئے تو پانی دیکھتے ہی وہ نہر میں جا کر بیٹھ گیا، نوکروں نے بڑی مشکل سے مار کر پانی سے نکالا اور دربار میں لے جا کر راجہ سے سارا واقعہ بیان کیا راجہ کو بڑا تعجب ہوا کہ نابینا کی بات صحیح ہوگئی، چنانچہ اس نے نابینا سے پوچھا کہ آخر گھوڑے کے پانی میں بیٹھ جانے کا سبب کیا ہے؟ نابینا نے کہا حضور اس گھوڑے کی ماں بچپن میں مرگئی تھی تو اس کو بھینس کا دودھ پلا کر پالا گیا، سوداگر نے کہا حضور واقعی اس کی ماں بچپن میں مرگئی تھی میں اسے بھینس کا دودھ نہ پلاتا تو کیا کرتا، جب نابینا کی بات صحیح ثابت ہوگئی تو راجہ نے اندھے سے کہا اے اندھے یہ تو بتا تجھے یہ کیسے پتہ چلا کہ اس گھوڑے کی ماں بچپن میں مرگئی تھی اور اس کو بھینس کا دودھ پلایا گیا ہے۔ نابینا نے کہا حضور گھوڑے کی پیٹھ کی جو ہڈی ہوتی ہے اس سے اس گھوڑے کی پیٹھ کی

بڑی دور کی بڑی ہے، یہ بڑی بھینس کا دودھ پلانے سے بڑھ جاتی ہے، راجہ نے کہا یہ اندھا تو
بڑے کمال کا آدمی ہے، حکم دیا کہ اس کو آج سے ایک کلو چاول اور پانچ سو گرام دال دی جائے۔
اب کچھ نابینا کا بھاؤ بڑھ چلا۔
ایک مرتبہ موتیوں کا سوداگر آیا تو راجہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اگر اچھے ہوں
تو لے لو۔ درباریوں نے کہا حضور وہ نابینا کہتا تھا کہ میں موتیوں کی پہچان بھی جانتا ہوں، اس کو
بلا کر موتیوں کی جانچ کرالیں، راجہ نے کہا ہاں یہ اچھا تم نے یاد دلایا۔ راجہ نے حکم دیا کہ اندھے
کو فوراً دربار میں حاضر کرو، جب نابینا دربار میں آیا تو راجہ نے کہا اے اندھے تو نے کہا تھا کہ
موتیوں کی پہچان جانتا ہوں، ہمارے آدمیوں نے چند موتی پسند کئے ہیں اور ہمیں بھی پسند
ہیں، بتاؤ یہ اچھے ہیں یا کھوٹے؟ نابینا نے کہا موتی ہمارے ہاتھ میں دیدیجئے موتی اندھے کے ہا
تھ میں دیدیے گئے، نابینا نے ان موتیوں کو اپنے منہ میں ڈالکر دس منٹ کے بعد نکالا اور کہا
حضور یہ موتی بالکل کھوٹے ہیں، راجہ نے موتی کے سوداگر کو بلا کر کہا یہ ہمارا نابینا آدمی بہت تجربہ
کار ہے یہ کہتا ہے کہ موتی بالکل کھوٹے ہیں، تم ایسے کھوٹے موتی لے کر ہمارے دربار
میں تجارت کیلئے آئے ہو، سوداگر نے کہا حضور سچ ہے، یہ موتی بالکل کھوٹے ہیں، مگر میں انہیں
صرف اس نیت سے لیکر آیا تھا کہ اس کی پہچان کرنے والا بھی کوئی ہے کہ نہیں؟
راجہ نے نابینا سے کہا اب تجھے نظر تو آتا نہیں پھر تو نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ موتی کھوٹے
ہیں، نابینا نے کہا حضور میں ان موتیوں کو منہ میں ڈالکر دس منٹ تک گھماتا رہا مگر کچھ پتہ نہ چلا
کیونکہ جو سچے موتی ہوتے ہیں ان کو منہ میں ڈالنے سے دو چار منٹ ہی میں لعاب پیدا ہونے لگتا
ہے اور اگر کھوٹے ہوتے ہیں تو منہ میں خراش پیدا ہونے لگتی ہے۔ یہ موتی منہ میں خراش پیدا
کر رہے تھے، اس لیے میں سمجھ گیا کہ یہ کھوٹے ہیں۔ نابینا کی یہ بات سن کر راجہ بہت خوش ہوا اور

وزیر کو حکم دیا کہ اس کو جتنا چاول، دال روزانہ ملتا ہے اس میں کچھ اضافہ کردو۔ وزیر نے ایک ایک
پاؤ چاول، دال کا اضافہ کردیا۔
راجہ نے نابینا سے کہا اے اندھے تیری دو باتیں تو بالکل صحیح ثابت ہوگئیں، تیری ایک
بات باقی رہی کہ تو آدمی کی پہچان جانتا ہے کہ وہ کس خاندان کا ہے، تو ہمیں بتا کہ میں کس
خاندان کا ہوں؟ نابینا نے کہا حضور آپ نہ پوچھئے کہ آپ کس خاندان کے ہیں؟ کسی دوسرے
آدمی کا خاندان پوچھئے، راجہ نے کہا میں اپنا خاندان تجھ سے پوچھوں گا، دوسرے کا کیوں
پوچھوں، نابینا نے کہا حضور اگر آپ اپنا خاندان پوچھنا چاہتے ہیں تو بھرے دربار میں مت
پوچھئے، تنہائی میں پوچھئے راجہ نے کہا میں بھرے دربار میں سب کے سامنے پوچھوں گا، میں راجہ
ہوں کسی سے ڈرتا تھوڑے ہی ہوں، نابینا نے کہا اگر آپ اپنا خاندان بھرے دربار میں سب کے
سامنے پوچھنا چاہتے ہیں تو حضور آپ ہمیں معافی نامہ لکھ کر دیں کہ آپ مجھے غصہ میں آکر قتل
نہیں کروائیں گے تاکہ میں بالکل بے فکر ہوکر آپ کا خاندان بتاسکوں۔ راجہ نے کہا میں اپنا
خاندان تجھ سے پوچھتا ہوں، اسمیں تم کو قتل کرنے کی کیا وجہ ہے۔ نابینا نے کہا نہیں سرکار آپ
مجھے پہلے معافی نامہ لکھ کر دیدیں تو میں آپ کا خاندان بتادوں گا، نابینا کے کہنے پر راجہ نے اس کو
معافی نامہ لکھ کر دیدیا اور کہا اے اندھے اب بتا میں کس عالی خاندان کا ہوں۔ اس پر نابینا نے کہا
حضور معاف کیجئے گا آپ بنیے کے خاندان سے ہیں۔
یہ سن کر راجہ کو بڑا تعجب ہوا کہ میں راجہ ہوتے ہوئے بنیے کے خاندان سے کیسے ہوگیا؟
نابینا نے کہا حضور آپ کی امی صاحبہ ابھی زندہ ہیں ان سے جاکر آپ پوچھ لیجئے، راجہ اپنی امی کے
پاس گیا اور کہا امی ایک اندھا آیا ہوا ہے وہ بہت تجربہ کار ہے۔ اس نے گھوڑے کی پہچان بتادی
موتیوں کو پہچان لیا کہ اصلی ہیں یا نقلی، میں نے اپنے کو پوچھا کہ میں کس خاندان کا ہوں تو کہتا

کہ تو بنیے کے خاندان سے ہے، کیا یہ سچ ہے؟ تو اس کی امی نے کہا بیٹا یہ بات بالکل سچ ہے
بات یہ ہے کہ تیری امی نے کہا کہ ہمارے کوئی اولاد نہیں تھی، راجدھانی میں دو چار خصوصی
آدمیوں نے مشورہ دیا کہ کسی بچے کو گود لے لیا جائے اور خوشی میں شہنائیاں اور باجے بجائے
جائیں اور اعلان کرا دیا جائے کہ راجہ کے گھر لڑکا ہوا ہے، اگر ایسا نہیں کیا جائیگا تو پھر یہ راج پاٹ
اور علامت کون کریگا؟ لہٰذا ان لوگوں کے مشورے کو قبول کر لیا گیا اور شہر میں تلاش ہونے لگی کہ کسی
کے گھر خوبصورت اور تندرست بچہ پیدا ہو تو اس کو گود لے لیا جائے۔ اتفاق سے تمہارا جنم ایک
بنیے کے گھر ہوا اور تم خوبصورت اور تندرست تھے، لوگوں نے تم ہی کو گود لینے کا مشورہ دیا تو تمہیں کو
گود لے لیا گیا خوب جشن عام ہوئی اور اعلان کر دیا گیا کہ راجہ کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے۔
اس کی امی نے پوچھا بیٹا یہ بات تو صرف دو چار آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں
کہ تم نے مجھے بتایا ہے، اس اندھے کو کیسے پتہ چلا یہ تو بہت ہی تعجب کی بات ہے۔ اس کی امی
نے کہا اس اندھے سے پوچھو تو سہی کہ تجھے کیسے معلوم ہوا کہ تو بنیے کے خاندان سے ہے۔ راجہ
نے اندھے کو بلا کر کہا تیری بات تو بالکل صحیح ہے۔ لیکن میری امی کہتی ہیں کہ یہ بات تو کسی کو معلوم
نہیں اس اندھے کو کیسے معلوم ہو گیا۔ راجہ نے کہا اے اندھے تو وہاں کہاں چھپ کے کھڑا تھا؟
کسی نے تجھے بتایا؟ آخر بتلاؤ تو تجھے کیسے معلوم ہوا؟ نابینا نے کہا حضور نہ تو میں وہاں کہیں
چھپا ہوا تھا نہ مجھے کسی نے بتلایا اور نہ ہی میں نے کسی سے پوچھا، یہ بات بڑی آسانی سے مجھے
معلوم ہو گئی۔ اس طریقہ پر کہ جب میری دو باتیں آپ کے سامنے صحیح ثابت ہو گئیں تو اگر آپ
کسی اچھے خاندان سے ہوتے تو مجھے انعام میں زمین جاگیر دیتے یا مکان ہی رہنے کے لئے
دیدیتے، اگر کنجوس ہوتا تو کچھ رقم تو ضرور ہی انعام میں دیتے، لیکن آپ نے جب بھی انعام دیا تو
دال چاول ہی دیا، اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ آپ بنیے کے خاندان سے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ

خاموش ہو گیا۔

فائدہ

مزاج، شرافت، تہذیب، بول چال اور رہن سہن میں نسل اور خاندان کا بہت بڑا دخل ہے۔ آدمی جس خاندان کا ہوتا ہے اس خاندان کی تہذیب، عادات و اطوار اور سوچ و فکر نمایاں طور پر اس میں پائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ایک مردم شناش انسان پہچان لیتا ہے کہ سامنے والا آدمی کس خاندان کا ہے۔

☆☆☆☆

(۴۷)

گدھے کو بولنا سکھادو

ایک مالدار آدمی تھا، جو بے حد بخیل تھا۔ اسے ایک مرتبہ مذاق کی سوجھی، تو شہر میں یہ اعلان کرا دیا کہ جو کوئی گدھے کو بولنا سکھا دے اس کو بیس ہزار روپیہ انعام دیں گے، اس اعلان کو سن کر لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ گدھا کیسے بولے گا اسکو بولنا کون سکھا سکتا ہے؟

یہ اعلان دور دور تک پہنچ گیا کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس اعلان کو قبول کرے۔ اتفاق سے ایک آدمی تیار ہوا، اس کے دماغ میں ایک بات آ گئی اور سیٹھ سے جا کر کہا آپ کے اعلان کو سن کر میں آیا ہوں اور چند شرطوں کے ساتھ گدھے کو بولنا سکھا دوں گا۔ سیٹھ نے کہا وہ شرطیں کیا ہیں؟ آدمی نے کہا:

۱- پہلی شرط یہ ہے کہ آدھی رقم یعنی دس ہزار روپیہ آپ ہم کو پہلے دیں۔
۲- دوسری شرط یہ کہ دس سال کی مہلت دیں کیونکہ گدھا دو چار سال میں بولنا نہیں سیکھ سکتا۔
۳- اور تیسری شرط یہ ہے کہ آپ اپنی پسند کا گدھا خرید کر ہم کو دیں۔

تینوں شرطیں سیٹھ نے منظور کرلیں اور اس آدمی کو دس ہزار روپیہ نقد اور ایک گدھا خرید کر دیدیا، ساتھ ہی دس سال کی مہلت بھی دیدی۔ یہ آدمی جب گدھا لیکر چلا تو لوگوں کو تعجب ہونے لگا اور اس سے پوچھنے لگے کہ آپ اسے بولنا کیسے سکھائیں گے اس نے جواب دیا کہ آپ صاحبان سمجھتے نہیں یہ سیٹھ بڑا بخیل ہے کسی کو ایک دھیلا بھی اللہ کے راستہ میں کبھی نہیں دیتا، تو اللہ تعالیٰ ایسے الٹے راستے سے اس کا پیسہ نکلواتا ہے۔ میں اس دس ہزار روپے میں سے آدھی رقم اللہ تعالیٰ کے نام پر غریبوں کو تقسیم کردوں گا اور آدھی رقم کا سامان خرید کر گدھے کے اوپر لاد کر تجارت کرتا رہوں گا، اب رہی بات گدھے کے بولنے کی تو میں نے دس سال کی مہلت سیٹھ سے مانگی ہے اس عرصے میں سیٹھ مرجائے گا یا پھر میں مرجاؤں گا نہیں تو گدھا ضرور مرجائیگا، اتفاق سے ہم تینوں میں سے اگر کوئی نہیں مرا تو دس سال کی مدت پوری ہونے پر میں گدھے کو خود ہی مار ڈالوں گا اور سیٹھ سے جاکر کہہ دوں گا حضور گدھا بالکل بولنے والا تھا مگر اتفاق سے اس کی موت آگئی وہ مرگیا یہ بہانہ بناؤں گا کہیں گدھا بولتا ہے البتہ بخیل کی جیب سے پیسہ نکالنے کی یہ ترکیب اللہ تعالیٰ نے میرے دماغ میں ڈالی ہے۔

فائدہ

جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، غرباء و مساکین کو نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ ان کے دماغوں میں ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں ڈال کر ان کے مالوں کو نکلواتا ہے۔

☆☆☆☆

(۴۸)

میں فقیر نہیں تو تو سخی بھی نہیں

ایک بادشاہ تھے بہت ہی نیک اور سخی، اس کے ایک لڑکا تھا وہ بھی ماشاء اللہ بہت ہی نیک اور سخی تھا، ایک روز اپنے والد صاحب سے کہنے لگا ابا جان اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ایک آفس شہر کے بیچ میں بناؤں اور ہر راستے کے لئے ایک کھڑکی بنواؤں پھر پورے شہر میں منادی کردی جائے کہ آج سے کوئی فقیر شہر میں بھیک نہیں مانگے گا، شہر کے بیچ ہمارے آفس پر سب کو روزانہ کھانے کا خرچ مل جائے گا، جو فقیر جس راستے سے آئے اسی راستے کی کھڑکی پر کھڑا ہو، وہیں سے اسکو مل جائے گا۔ بادشاہ نے کہا بیٹا یہ تو بہت اچھی بات ہے، چنانچہ باپ نے صاحبزادے کو اجازت دیدی۔ اجازت ملنے کے بعد لڑکے نے شہر کے بیچوں بیچ ایک آفس بنوایا اور جتنے راستے وہاں پر تھے اتنی ہی کھڑکیاں بنوالیں۔ جب آفس بنکر تیار ہوگیا تو اعلان کرادیا کہ فلاں تاریخ سے شہر میں کوئی بھیک نہیں مانگے گا، بلکہ شہر کے بیچ میں بنے ہوئے آفس پر آجائیں اور جس راستے سے آئیں اسی راستے کی کھڑکی پر لائن میں کھڑے ہوجائیں، روز کھانے کا خرچ انشاء اللہ تعالیٰ مل جائیگا۔ یہ اعلان پورے شہر میں ہوگیا، اب شہر میں جتنے بھیک مانگنے والے تھے سب اس دن کا انتظار کرنے لگے جب وہ دن آگیا تو اعلان کے مطابق شہزادہ وقت پر آفس پر پہنچ گیا، لوگ پہلے ہی سے لائن لگا کر کھڑے ہوئے تھے، اس نے ایک کھڑکی کھولی وہاں جتنے لوگ کھڑے تھے سب کو دے کر دوسری کھڑکی کھولی وہاں پر جو کھڑے تھے ان سب کو دیدیا، ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ پہلی کھڑکی پر لے چکا ہے پھر دوسری کھڑکی کے پاس بھی کھڑا ہے، لیکن شہزادے نے کچھ نہیں کہا اور دوبارہ بھی دیدیا۔ پھر تیسری کھڑکی کھولی

اُسے نکال دیا، پتا لگا ہے کہ دونوں کھڑکیوں سے لینے والا آدمی تیسری کھڑکی پر بھی کھڑا ہے، اس نے اس کو پھر بھی دے دیا۔ اب چوتھی کھڑکی کھولی تو وہ آدمی چوتھی کھڑکی پر بھی کھڑا ملا، اب شہزادے سے صبر نہیں ہوا اور کہا بابا آپ فقیر نہیں ہیں پہلی کھڑکی پر آپ لے چکے تھے، پھر دوسری اور تیسری کھڑکی پر بھی آپ نے لیا، لگتا ہے آپ فقیر نہیں ہیں، تو اس فقیر نے کہا اگر میں فقیر نہیں تو تو بھی نہیں ہے، یہ لے اپنا پیسہ میں تو چلا۔ یہ کہہ کر جو پیسہ اس کو تینوں کھڑکیوں سے ملا تھا سب اس کے سامنے پھینک دیا اور چلا گیا۔

شہزادے نے بادشاہ سے اس فقیر کا سارا واقعہ بیان کیا اور کہا ابا جان پہلے ہی دن یہ منظر پیش آیا۔ بادشاہ نے کہا بیٹا کسی کا دل نہ دکھاؤ تھوڑا بہت کچھ نہ کچھ دے دیا کرو۔ معلوم نہیں کس بھیس میں کون آیا ہے۔

فائدہ

باپ نے بالکل سچی بات کہی کہ جس نے بھی ہاتھ پھیلا دیا اس کے ہاتھ پر کچھ نہ کچھ ضرور رکھ دو نہ جانے کس کو کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سائل گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تب بھی اس کو کچھ نہ کچھ دے دو۔

وجہ ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی مجبوری تو ضرور ہی ہوگی اسی وجہ سے تو اس نے ہاتھ پھیلایا ہے، ورنہ اپنے آپ کو ہاتھ پھیلا کر کیوں ذلیل کرتا اور بظاہر اس کے پاس جو کچھ دکھائی دے رہا ہے اولاً کیا ضروری ہے کہ اسی کا ہو اور اگر اسی کا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی ضرورت کے بقدر نہ ہو اس لیے جھڑکنے کے بجائے جو کچھ ہو سکے دیدے ورنہ خوش اسلوبی کے ساتھ منع کر دے۔

☆☆☆☆

(۴۹)

﴿بچھو کاٹیں گے تب بھی کچھ نہیں دوں گا﴾

دو بھائی تھے۔ بڑا بھائی بہت مالدار تھا اور چھوٹا بھائی بے حد غریب۔ چھوٹے بھائی کو ایک روز احساس ہوا کہ بڑے بھائی کے پاس جاؤں شاید اس کو میری غریبی پر رحم آجائے اور کچھ مدد کر دے، یہ سوچکر بڑے بھائی کے پاس دن میں تقریباً دو بجے گیا اور گھر کے آنگن میں بیٹھ گیا، بڑا بھائی گھر کے اندر بیٹھا ہوا تھا، چھوٹے بھائی کے آنے سے سمجھ گیا کہ یہ کچھ مدد کے لئے آیا ہے، اس لیے اس نے اس سے بات کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا اور گھر ہی میں بیٹھا رہا، آنگن میں نکلا ہی نہیں، چھوٹا بھائی بیٹھا رہا یہاں تک کی رات ہوگئی لیکن بڑے نے پوچھا تک نہیں کہ کیسے آئے ہو۔ جب رات ہوگئی تو چھوٹے بھائی نے کہا اب تو مچھر کاٹ رہے ہیں یہ الفاظ سنکر بڑا بھائی گھر کے اندر بیٹھے بیٹھے کہنے لگا اگر بچھو بھی کاٹیں گے تب بھی کچھ نہیں دوں گا، یہ الفاظ جب چھوٹے بھائی نے سنا تو مایوس ہو کر واپس چلا گیا۔

فائدہ

بخل بھی من جانب اللہ ایک لعنت ہے، جس کی وجہ سے انسان کے دل سے شفقت، مہربانی اور رحم دلی نکل جاتی ہے اور اس کی جگہ شقاوت، سختی اور بے دردی پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اس کے بعد انسان بظاہر انسان تو رہتا ہے مگر اس کے اندر انسانیت یا آدمیت نام کی کوئی چیز نہیں رہتی۔ اسی کی ایک مثال مذکورہ واقعہ بھی ہے۔

☆☆☆☆

(۵۰)

﴿بس الٰہی﴾

ایک مولوی صاحب بڑے چلبلے اور مذاقیہ آدمی تھے، اتفاق سے شاعر بھی تھے، ان کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو گھر والوں نے پوچھا کہ لڑکے کا نام کیا رکھا جائے، مولوی صاحب نے کہا "نعمت الٰہی" رکھو، پھر دوسرا لڑکا پیدا ہوا تو گھر والوں نے پوچھا کہ اس کا نام کیا رکھیں کہا "برکت الٰہی"۔ تیسرا لڑکا پیدا ہوا تو گھر والوں نے پھر پوچھا کہ اس کا نام کیا رکھا جائے تو مولوی صاحب نے کہا کہ "فضل الٰہی" رکھو۔ چوتھا لڑکا پیدا ہوا تو پوچھا گیا کہ اس کا نام کیا رکھیں، مولوی صاحب نے کہا کہ "کرم الٰہی"۔ پھر پانچواں لڑکا پیدا ہوا تو مولوی صاحب نے اس کا نام "رحمت الٰہی" رکھا۔ چھٹا پیدا ہوا تو "انعام الٰہی" رکھا۔ جب ساتواں لڑکا پیدا ہوا تو گھر والے پھر پوچھنے لگے کہ مولوی صاحب آپ کے گھر میں ساتواں لڑکا پیدا ہوا ہے، اس کا کیا نام رکھیں تو مولوی صاحب نے کہا اس بچے کا نام "بس الٰہی" رکھو۔

فائدہ

کسی بھی چیز کی جب کثرت ہو جاتی ہے تو اس کی حیثیت کم ہو جاتی ہے، یہی حال اولاد کا بھی ہے، اس نعمت کی قدر کا حال ان لوگوں سے پوچھیے جن کے اولاد نہیں ہے۔

☆☆☆☆

(۵۱)

﴿نقطہ لگا کے دو﴾

ایک خاں صاحب تھے۔ انکا لین دین ایک بنئے سے تھا، ایک مرتبہ خان صاحب ایک سو روپیہ کہیں سے کما کر لائے اور کہا لو بابا یہ ہمارا پیسہ رکھو، بنئے نے کہا خاں صاحب آپ کا روپیہ کتنا ہے، خان صاحب نے کہا او بابا ہم نہیں سمجھتا، بنئے نے کہا آپ کا روپیہ ایک سو ہے، خان صاحب نے کہا ہم سو میں نہیں سمجھتا، بنئے نے کہا ایک اور دو نقطے اتنا آپ کا روپیہ ہے، اس پر خان صاحب نے کہا اچھا بابا ٹھیک ہے تم اس کو رکھو۔ بنئے نے سو روپیہ خاں صاحب کا رکھ لیا، گھوم گھام کے چھ مہینہ بعد خاں صاحب آئے اور بنئے سے کہا او بابا ہم کو ایک اور ایک نقطہ دیدو بنئے نے دس روپیہ دیدیا۔ خاں صاحب دس روپیہ لے کر چلے گئے، پھر گھوم گھام کر چھ مہینہ کے بعد آئے اور ایک سو روپیہ بنئے کو دیے اور کہا بابا ہمارے اس پیسے کو بھی رکھ لو۔ بنئے نے کہا خان صاحب آپ کا یہ روپیہ کتنا ہے۔ خان صاحب نے کہا بابا ہم نہیں جانتا، بنئے نے کہا ایک سو روپیہ ہے، خاں صاحب نے کہا ہم سو میں نہیں سمجھتا، تو بنئے نے کہا ایک اور دو نقطے اتنا پیسہ ہے آپ کا۔ خان صاحب نے کہا ہاں بابا ٹھیک ہے ایک اور دو نقطے ہمارا ہے اس کو بھی رکھ لو۔ یہ کہہ کر خاں صاحب چلے گئے۔

پھر ایک سال بعد آئے اور بنئے سے کہا بابا ہمارا سب پیسہ دیدو، بنئے نے دیانتداری سے ایک سو نوے روپیہ جو خاں صاحب کے تھے دینے لگا تو خاں صاحب روپیہ دیکھتے ہی غصہ میں آگئے اور کہا بنئے ہمارا ایک نقطہ تمہارے پاس تھا اور دوبارہ ایک اور دو نقطہ ہم نے تم کو بعد میں دیا، تو ہمارا ایک اور تین نقطے پیسہ ہوا۔ ہم کو کم پیسہ دیتا ہے سوّر کا بچہ ہم تم کو جان سے مار کر خلاص کر

دیکھ لیا پھر دو تھیلے پر ایک نقد اور اس میں لگا کر ہمارا پیسہ دے، یعنی خاں صاحب اپنا حساب لگا کر
بیچ سے ایک ہزار کا مطالبہ کر رہا تھا۔ بنیا بے چارہ ڈر کے مارے ایک ہزار روپیہ خاں صاحب کو
دیا اور اپنا کان پکڑ کر توبہ کی کہ آئندہ اب کسی خاں صاحب کا پیسہ نہیں رکھوں گا۔

فائدہ

کسی کے مال کو زبردستی ہڑپ کرنا یا دھوکہ دے کر لے لینا شریعت کے نزدیک حرام
ہے، خواہ وہ کوئی بھی ہو، خصوصاً جب کوئی مسلمان یہ سب کرتا ہے تو اس کا سب سے بڑا نقصان یہ
ہوتا ہے کہ غیر مسلمین اسلام اور مسلمانوں سے دور اور بدظن ہو جاتے ہیں، جس کی وجہ سے
اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ متاثر ہوتی ہے، اس لیے مسلمانوں کو کلی طور پر ایسی حرکتوں سے بچنا
چاہیے۔

☆☆☆☆
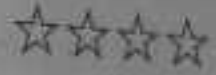
(۵۲)

بگلا بھگت

بگلا ایک پرندہ ہوتا ہے تالاب کے کنارے پھرتا رہتا ہے، مچھلیوں کے علاوہ کچھ نہیں
کھاتا۔ ہندو دھرم میں جو بھگت ہوتے ہیں وہ گوشت اور مچھلی بالکل نہیں کھاتے، حتیٰ کہ سچے اور
پکے بھگت تو ہوٹل کا پانی تک نہیں پیتے اور حقیقتاً یہی سچے بھگت ہوتے ہیں۔ بگلا مچھلی کے علاوہ کچھ
نہیں کھاتا، سوال ہوتا ہے کہ پھر یہ بھگت کیسے ہوگیا، اس کی ایک کہاوت ہے اس کو سنئے:

ایک بگلا تھا وہ تالاب میں دن بھر رہتا تھا، لیکن اس تالاب کی ایک مچھلی بھی نہیں کھاتا تھا
جبکہ اس کے پیروں سے ٹکراتی تھیں لیکن یہ ان کی طرف نگاہ بھی اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا، مچھلیوں نے
ایک روز اس بگلے سے پوچھا آپ ہم کو کھاتے کیوں نہیں، بگلے نے جواب دیا کہ اب میں بھگت
ہوگیا ہوں اس لئے مچھلیوں کو کھانا بند کر دیا ہوں جب کہ کچھ دور پر ایک دوسرا تالاب تھا، بعض
اوقات یہی بگلا وہاں جا کر اس میں سے مچھلیاں کھا کر واپس آ جاتا پھر دن بھر اس تالاب کے
کنارے بیٹھا رہتا اور اس تالاب کی ایک مچھلی بھی نہ چھوتا۔ اپنی ہوا جمانے کے لئے اس طرح کی
چال چل رہا تھا۔

اتفاق سے گرمی کا موسم آ گیا اور تالاب کا پانی سوکھ کر کم ہونے لگا، تو بعض مچھلیوں نے
آپس میں مشورہ کیا کہ یہ تالاب چھوٹا ہے ہم کسی بڑے تالاب میں چلے جائیں تو بہت اچھا ہو
جائے، یہاں پر لوگ ہم کو ستاتے ہیں اور پرندے بھی آ کر کھا جاتے ہیں۔ دوسری مچھلیوں نے
کہا ہم کو دوسرے بڑے تالاب میں لے کر کون جائے گا۔ پہلی مچھلیوں نے کہا یہ بگلا جو روزانہ آ کر
تالاب کے کنارے بیٹھا رہتا ہے وہ بھگت ہوگیا ہے ہمیں کہاں کھاتا ہے۔ اس لئے ہم کو اس پر
اعتماد ہے اور وہ ضرور ہماری مدد کرے گا، اور بھگتوں کا یہی کام ہوتا ہے دوسروں کی سیوا کرنا۔ یہ
مشورہ کر کے سب مچھلیاں مل کر بگلا بھگت کے پاس گئیں اور اپنی مجبوری بیان کرنے لگیں کہ یہاں
پر لوگ ہم کو ستاتے ہیں اور دوسرے پرندے بھی آ کر ہم کو کھا جاتے ہیں، لہٰذا آپ ہم لوگوں کو کسی
دوسرے بڑے تالاب میں پہنچا دیں تو بڑی مہربانی ہوگی اور ہماری یہ مصیبت ہمیشہ کے لئے ختم
ہو جائے گی۔ اس پر بگلے بھگت نے جواب دیا کہ میں تو آپ لوگوں کو چھونا بھی پاپ (گناہ)
سمجھتا ہوں میں کیسے آپ لوگوں کو پہنچاؤں، یہ سنکر مچھلیاں گڑگڑانے لگیں اور بگلے سے عاجزانہ
طور پر عرض کرنے لگیں کہ آپ تو صرف منہ میں ہم کو دبا کر کسی بڑے تالاب میں لے جا کر چھوڑ

دیں، ان کے گڑگڑانے پر بگلے نے کہا اگر سب کہتی ہیں تو میں آپ سب کی باتوں کو قبول
کرلیتا ہوں اور آپ کی بہبود کیلئے تیار ہوں۔ لیکن سب کو ایک ساتھ نہیں پہنچا سکتا اور پھر ایک دن
میں ابھی یہ کام مجھ اکیلے سے نہیں ہو پائے گا، ہاں تھوڑی تھوڑی چار چار، چھ چھ مچھلیوں کو روزانہ
پہنچا سکتا ہوں، ان کے کہنے پر سب مچھلیاں رضامند ہو گئیں۔ بگلا بھگت نے کہا کہ یہ کام میں کل
سے شروع کروں گا۔ کیوں کی آج تو اس کا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ مچھلیوں نے کہا ٹھیک ہے، دوسرے
دن جب بگلا صبح صبح تالاب پر آیا تو سب مچھلیاں اس کے پاس جمع ہو گئیں کہ جلد سے جلد دوسرے
تالاب میں پہنچ جائیں ہر مچھلی کو جلد دوسرے تالاب میں پہنچنے کی تمنا تھی، بگلے نے کہا ایک ساتھ تو
میں تم سب کو نہیں اٹھا پاؤں گا، ایک ایک کر کے لے جاؤں گا اس پر سب خاموش ہو گئیں۔

اب یہ بگلا ایک ایک مچھلی کو اٹھاتا اور کچھ دور جا کر ایک درخت پر بیٹھ کر کھا جاتا پھر
واپس آتا، ادھر ہر مچھلی کو بڑے تالاب میں جانے کی جلدی تھی اس کے آتے ہی اس کے پیروں
میں آکر چمٹ جاتیں، اب اس بگلے کو مچھلیاں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں تھی، پھر اس میں سے
کسی ایک کو اٹھا کر لے جاتا اور درخت پر جا کر کھا جاتا اور واپس آجاتا۔ ان تالاب والی
مچھلیوں سے کون کہے کہ یہ بگلا، بھگت نہیں بلکہ قصائی سے بھی بدتر ہے۔ بہرحال اس بگلے نے چھ
چار مہینہ تک آرام سے پورے تالاب کی مچھلیاں کھائیں اور پھر بھگت کا بھگت بھی بنا رہا اس کی
بھگتی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔

فائدہ

یہی حال اس زمانے کے مسلمانوں کا ہو گیا ہے کہ ظلم زیادتی، لوٹ گھسوٹ، چوری
ڈکیتی، جھوٹ افترا و پردازی، سود خوری، حرام کاری اور حرام خوری کون سا ایسا برا کام ہے جس
میں مبتلا نہیں ہیں۔ اور ادھر پکے مسلمان ہونے کا دعوی بھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک مسلمان

کے لیے اسلام پر ہوتے ہوئے یہ سب کرنا جائز ہے، کیا اسلام کا تقاضہ فقط اسلامی نام رکھ لینے،
شادی بیاہ اور موت و پیدائش کے موقعوں پر چند مخصوص رسموں کے ادا کر لینے سے پورا ہو جاتا
ہے۔ یا اسلام نام ہے برائیوں، بے حیائیوں، ظلم زیادتیوں اور فواحشات و منکرات سے بچنے اور
اچھائیوں کے کرنے کا۔ افسوس کہ مسلمان آج تمام برائیوں میں مبتلا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان
بھی ظاہر کرتا ہے۔ کاش مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل کر کے نام کا مسلمان نہیں، بلکہ حقیقی
مسلمان ہو جاتا۔

☆☆☆☆

(۵۳)

﴿زندہ بھائی کی بیوی بیوہ ہوگئی﴾

دو بھائی تھے انکے ماں باپ کا انتقال ہو چکا تھا، بڑا بھائی کارخانے میں کام کرتا تھا اور
چھوٹا بھائی کھانا پکا کر اس کو پہنچانے جاتا۔ ایک دن چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا بھائی
صاحب اگر آپ شادی کر لیں تو مجھے چولہے سے نجات مل جائے گی۔ بڑے بھائی کو یہ مشورہ پسند
آگیا اور کچھ دنوں کے بعد اس نے شادی کر لی۔ اب چھوٹے بھائی کو چولہے سے نجات مل گئی۔
صرف بڑے بھائی کے لئے کارخانے میں کھانا پہنچانے کی ڈیوٹی رہ گئی، تین چار مہینے بھاوج رہی
پھر میکے چلی گئی تو چھوٹے بھائی کے اوپر وہی ذمہ داری آگئی۔ دو چار مہینے کے بعد چھوٹے بھائی
نے کہا بھائی جان آپ بھاوج کو بلا لائیں تو مجھے اس چولہے سے نجات مل جائے گی، بڑے بھائی

نے کہا جی ہاں تم ٹھیک ہے مگر ایک بات ہے اگر میں بلانے جاؤں گا تو کارخانے سے چھٹی لینی پڑے گی اور پھر بیوی گھر اکیلی رہے گی، اگر تم بلانے چلے جاؤ تو زیادہ اچھا ہوگا، جب چھوٹا بھائی جانے کے لئے تیار ہوگیا تو بڑا بھائی اس کو سمجھانے لگا کہ تم وہاں جاکر کیا کہو گے؟ چھوٹے بھائی نے کہا میں تو وہی کہوں گا جو آپ مجھ سے کہیں گے، بڑے بھائی نے اس کو نصیحت کرنا شروع کیا اور کہا کہ سنو جب تم وہاں محلے میں پہنچنا تو سب سے پہلے سلام کرنا، وہاں پر آپ کے ہم عمر لڑکے ملیں گے جو تمہاری بھاوج کے گھر تک لے جائیں گے، وہاں جاکر بھی سلام کرنا اور جب بھاوج کے گھر پہنچو گے تو پاس پڑوس کی عورتیں بھی آکر جمع ہوجائیں گی اور تم سے پوچھیں گی کہ کیوں آئے ہو تو جواب دینا کہ بھاوج کو بلانے آیا ہوں، چھوٹے بھائی نے کہا کہ پھر کیا کہوں گا، بڑے نے کہا کہ اس کے بعد کچھ نہ کہنا، تجھ میں عقل ہے نہیں، زیادہ بولو گے تو تمہاری اور ہماری بے عزتی ہوگی۔

چھوٹا بھائی سلام کرکے چل دیا جب اس قصبے میں پہنچا جہاں اسے جانا تھا تو محلے میں جاکر لڑکوں سے سلام کیا، ہم عمر لڑکے تو ہر جگہ ہوتے ہی ہیں ان بچوں نے سلام کا جواب دیا اور اس کو اس کی بھاوج کے گھر پہنچا دیا، گھر پہ جاکر بھی سب کو سلام کیا اور پاس پڑوس کی بہت سی عورتیں جمع ہوگئیں، عورتوں کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ پاس پڑوس میں کوئی نیا آدمی آئے تو محلے کی سب عورتیں جمع ہوجائیں گی کہ دیکھیں کون آیا ہے۔ بہرحال جب عورتیں جمع ہوگئیں تو اس سے پوچھنے لگیں کیسے آنا ہوا، لڑکے نے جواب دیا کہ بھاوج کو بلانے کے لئے آیا ہوں ایک عورت نے پوچھا آپ کے بھائی تو اچھے ہیں ان کے پوچھنے پر یہ خاموش رہا کیوں کہ زیادہ بولنے کے لئے بڑے بھائی نے منع کیا تھا اس کے خاموش رہنے پر عورتوں کو شبہ ہوا، دوسری عورت نے پوچھا آپ کے بھائی کی طبیعت کیسی ہے جب بھی وہ خاموش رہا، اس میں سے کسی عورت نے کہا کیا

بیمار ہیں؟ کسی عورت نے کہا کیا ایکسیڈینٹ ہوگیا ہے؟ اس کے جواب میں بھی وہ خاموش چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اتفاق سے ایک عورت کو غصہ آگیا اس نے کہا تمہارے بھائی مرگئے ہیں اس پر بھی وہ خاموش رہا، اب تو عورتوں میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں کہ اس کا بڑا بھائی مرگیا ہے اس وجہ سے اس کی زبان بند ہوگئی ہے۔ اب پاس پڑوس میں ایک شور ہوگیا کہ لڑکی رانڈ ہوگئی یعنی بیوہ ہوگئی اور رونا دھونا شروع ہوگیا۔ مگر یہ بے وقوف کچھ نہیں بولتا اس لئے کہ بڑے بھائی نے منع کیا تھا وہ اس کی پوری پابندی کررہا تھا۔ یہ بھاوج کے یہاں ٹھہر رہا، دو تین دن کے بعد تیجا ہوا، پھر دسواں بھی ہوا، اس نے تیجا بھی کھایا اور دسواں بھی مگر کچھ بول کر نہیں دیا۔ دسواں کھانے کے بعد جو بولے تو کہا کہ بھاوج کو ہمارے ساتھ بھیج دو، گھر والوں نے کہا اب تو رانڈ ہوگئی ہے اب کیا کرنے بھیجیں، چنانچہ وہ اکیلا واپس چلا آیا۔ دور کا معاملہ تھا جب گھر پہنچا تو بڑے بھائی نے پوچھا تیری بھاوج کہاں ہے اس کو ساتھ میں نہیں لایا۔ چھوٹے بھائی نے جواب دیا کہ وہ تو رانڈ ہوگئی اس لئے انہوں نے میرے ساتھ رخصت نہیں کیا۔ بڑے بھائی نے کہا کہ میں تو زندہ ہوں پھر وہ بیوہ کیسے ہوگئی؟ چھوٹے بھائی نے کہا یہ تو مجھے معلوم نہیں وہاں کے سب لوگ کہہ رہے تھے کہ لڑکی رانڈ ہوگئی۔ بڑے بھائی کو بہت غصہ آیا اور چھوٹے کو سختی کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کر کہا تو بہت ہی بڑا بے وقوف ہے میرے ہوتے ہوئے وہ ہرگز رانڈ نہیں ہوسکتی تو کیسی پاگلوں کی باتیں کرتا ہے۔ بڑے بھائی کے دھمکانے سے چھوٹے بھائی کو بھی غصہ آگیا اور کہنے لگا تیرے زندہ رہنے سے وہ کیوں بیوہ نہیں ہوسکتی، بڑے بھائی نے کہا ہرگز نہیں ہوسکتی، تو چھوٹے بھائی نے کہا تو زندہ تھا تو امی کیوں رانڈ ہوگئی؟ تو زندہ تھا تو پھوپھی کیوں بیوہ ہوگئی؟ تو زندہ تھا تو چچی کیوں بیوہ ہوگئی؟ تو زندہ تھا تو خالہ کیوں رانڈ ہوگئی؟ اب تیرے زندہ رہنے پر اگر بھاوج رانڈ ہوجائے تو پھر میں کیا کروں۔ چھوٹا بھائی بڑے بھائی کو سمجھانے کے لئے امی کی، پھوپھی کی، اور خالہ کی دلیلیں دے رہا ہے کہ وہ

جیسے زندہ رہنے کے باوجود بیوہ ہو گئیں اسی طرح تیرے زندہ رہتے ہوتے بھاوج بھی بیوہ ہو گئی تو میں کیا کر سکتا ہوں۔

فائدہ یہی حال ہندوستان میں موجود بریلوی فرقہ کا ہے کہ خلاف دین وشریعت امور مثلا دسواں چالیسواں، قبروں پر سجدہ وغیرہ خود کرتے ہیں اور جو لوگ ان سب امور کو خلاف شریعت کہتے ہوئے ان سے خود بھی بچتے ہیں اور لوگوں کو منع بھی کرتے ہیں انھیں کافر کہتے ہی اور جب یہ لوگ کہتے ہیں کہ بھائی ہم کافر نہیں ہیں، ہم کلمہ پڑھتے ہیں، رسول کو مانتے ہیں، نماز روزہ کرتے ہیں، کافر کیسے ہو سکتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تمہارے کہنے سے کیا ہوتا ہے تم لوگ کافر ہی ہو۔ اللہ بچائے اس حماقت اور جہالت سے۔

☆☆☆

(۵۴)
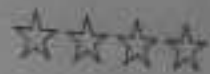
﴿کام کاج﴾

اکبر بادشاہ کا ایک سالا بہت ہی بے وقوف تھا، جس کی وجہ سے دربار میں اس کو کوئی وقعت حاصل نہیں تھی۔ ایک روز بادشاہ کی بیگم نے اپنے بھائی کے لئے بادشاہ سلامت سے سفارش کی کہ آپ بیربل کو ہر کام کے لئے بھیجتے رہتے ہیں، کبھی میرے بھائی کو بھی کوئی کام بتا دیا کریں۔ بادشاہ نے کہا بیربل عقلمند ہے ہر بات کو سمجھتا ہے، ہر کام کو اچھی طرح انجام دیتا ہے۔

آپ کے بھائی میں عقل ہی نہیں ہے۔ بیگم صاحبہ نے کہا کوئی کام بتا کر تو دیکھیں، آپ تو بلاوجہ میرے بھائی کو حقیر سمجھتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا تم کہتی ہو تو ان کو بھی کوئی کام بتا دیں گے۔

ایک مرتبہ بادشاہ کہیں سے آ رہا تھا، راستے میں کتیا نے بچے دے رکھے تھے، بادشاہ کی نظر کتیا پر پڑ گئی، بادشاہ نے اپنی بیگم سے کہا ذرا اپنے بھائی کو بلائیے اس کو ایک کام بتائیں گے۔ بیگم صاحبہ بہت خوش ہوئیں اور بھائی کو بلوا لیا اور یہ بھی کہلا دیا کہ بادشاہ سلامت آپ کو کچھ کام بتائیں گے، اس لئے جلدی سے آ جاؤ۔ خبر ملتے ہی بھائی دربار میں فوراً حاضر ہو گیا۔ بادشاہ نے اپنے سالے سے کہا فلاں جگہ پر کتیا نے بچے دیئے ہیں ذرا دیکھ آؤ، یہ سنکر وہ فوراً بھاگا ہوا گیا اور کہا حضور کتیا نے بچے دیئے ہیں بادشاہ نے پوچھا کس دن دیئے ہیں؟ سالے صاحب نے کہا یہ تو نہیں پوچھا ابھی پوچھ کر آتا ہوں۔ پھر گیا اور پوچھ کر آیا کہ فلاں دن دیئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کل کتنے بچے ہیں؟ سالے نے کہا یہ تو میں نے نہیں گنے تھے، ابھی گن کر آتا ہوں پھر گیا گن کر آیا اور کہا حضور کل سات بچے ہیں، بادشاہ نے پوچھا کون کون سے رنگ کے ہیں؟ سالے نے کہا یہ تو میں نے غور نہیں کیا ابھی دیکھ کر آتا ہوں۔ پھر گیا دیکھ کر آیا اور کہا فلاں فلاں رنگ کے ہیں۔ پھر بادشاہ نے پوچھا اس میں نر کتنے ہیں اور مادہ کتنے ہیں؟ سالے نے کہا حضور یہ تو میں نے نہیں دیکھا ابھی دیکھ کر آتا ہوں۔ پھر گیا دیکھ کر آیا اور کہا چار نر ہیں اور تین مادے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اچھا جاؤ وہ چلا گیا۔ بادشاہ نے اپنی بیگم سے کہا آپ نے اپنے بھائی کی عقل اور سمجھ کو دیکھ لیا؟

اب بادشاہ نے بیربل کو بلایا اور کہا فلاں جگہ پر کتیا نے بچے دیئے ہیں اس کو ذرا دیکھ کر آؤ۔ بیربل گیا اور کچھ دیر کے بعد واپس آیا۔ بادشاہ سے کہنے لگا حضور فلاں جگہ پر کتیا نے بچے دیئے ہیں اور اس اس رنگ کے ہیں، چار اس میں نر ہیں اور تین مادہ، پوری رپورٹ دیکر بیربل

چلا گیا۔ بادشاہ نے اپنی بیگم سے کہا آپ کے بھائی کو ایک کام کے لئے کتنے چکر کاٹنے پڑے اور بیربل نے ایک ہی چکر میں ساری باتیں بتادیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیربل کی دربار میں عظمت ہے اور آپ کے بھائی کی نہیں اسلئے کہ وہ بے عقل ہے۔ اس کو جو کام بتلائیں وہی کر کے آتا ہے اپنی سمجھ سے کوئی کام نہیں کرتا۔ یہ کہہ کر جب بادشاہ چلا گیا تو بیگم نے اپنے بھائی کو بلا کر خوب سمجھایا کہ اپنی عقل سے کچھ کام نہیں لیتے ہو، کتیا کے بچے کے چکر میں تم نے آخر کتنے چکر کاٹے اور بیربل نے ایک چکر میں ساری باتیں بتادیں اس لئے تم ذرا سوچ سمجھ کر کام کیا کرو، ایک کام ہوتا ہے دوسرا کاج ہوتا ہے، لہٰذا جس کام کے لئے انسان کو بھیجا جائے تو اس کام کے ساتھ دوسرا اور کونسا کام اس سے ملتا جلتا ہے اس کو بھی ساتھ میں کر لینا چاہئے، لہٰذا اب اگر کوئی کام بادشاہ سلامت تم سے کہیں توان سب باتوں کا خیال رکھ کر کرنا۔

اتفاق سے بادشاہ بیمار ہوگیا، بیگم صاحبہ نے اپنے بھائی کو بلا کر کہا جاؤ جلد سے جلد حکیم صاحب کو بلا کر لے آؤ، اب حکیم صاحب کو بلانے کیلئے گیا اور راستے بھر سوچتا جا رہا تھا کہ اس کے ساتھ کونسا کام فٹ آتا ہے۔ حکیم صاحب کو بلانا ہے یہ تو ہوگیا کام، اب اسکے ساتھ کاج کیا ہے لہٰذا اس کو بھی ساتھ میں کرلوں، ورنہ کتیا کی تحقیق میں جس طرح چکر کاٹنے پڑے تھے اسی طرح اس میں چکر کاٹنے پڑیں۔

اسی غور وفکر میں اس کی سمجھ میں یہ آیا کہ ساتھ میں کفن بھی لیتا چلوں، اگر بادشاہ مرگیا تو بلا وجہ دوبارہ آنا پڑے گا۔ یہ سوچ کر وہ حکیم صاحب سے ملا اور کہا کہ آپ جلدی چلیں بادشاہ بیمار ہوگئے ہیں، یہ کہہ کر خود کفن لینے چلا گیا اور کفن لے کر حکیم صاحب سے پہلے پہنچا تو اس کی بہن نے پوچھا یہ کیا لائے ہو؟ اس نے جواب دیا کفن، تاکہ دوبارہ نہ جانا پڑے۔ حکیم صاحب کو بلانا یہ تو کام تھا اور اس کے ساتھ دوسرا کاج۔ آپ کے حکم پر عمل کیا اور بطور کاج کفن لیتے آیا ہوں

یہ سن کر اس کی بہن حیرت میں پڑ گئی اور اس کی حماقت کا یقین کرلیا۔

فائدہ

عقل اللہ رب العزت کی عطاء کردہ نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہے، اچھے برے کا فرق، اپنوں اور غیروں کی پہچان، صحیح اور غلط کی شناخت، سوجھ بوجھ اور فہم وبصیرت اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ جن کی عقلوں میں فتور ہے وہ کوئی غلط فیصلہ کریں ان پر تو کوئی افسوس نہیں افسوس تو ان لوگوں پر ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطاء فرمائی وہ کائنات میں غور وفکر کر کے خدا کی خدائی کے قائل نہیں ہوتے، اس کی قدرت کو تسلیم نہیں کرتے اور اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں کو خدا مانتے ہیں۔

☆☆☆☆

(۵۵)
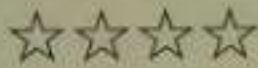
پتھر کے برابر روپیہ

اکبر بادشاہ کی بیگم نے ایک مرتبہ بادشاہ سے کہا آپ تو ہر وقت بیربل کا ہی دم بھرتے رہتے ہیں جو بھی کام ہو بیربل کو بلاؤ۔ ارے میرے بھائی کو بھی کوئی کام بتادیا کرو، وہ ایسے ہی فالتو فنڈ میں گھومتا رہتا ہے کچھ کام کرتا نہیں اگر آپ کوئی کام بتادیں تو وہ اس میں لگا رہے اور اس کا ذہن بھی کھلے۔ بادشاہ نے کہا اچھا بتائیں گے۔ ایک روز بادشاہ نے اپنی بیگم سے کہا اپنے بھائی کو بلاؤ اس کو ایک کام بتائیں گے۔ بیگم صاحبہ نے فوراً اپنے بھائی کو بلوایا اور کہلا بھیجا کہ

بادشاہ سلامت تم کو کام سے بھیجنے والے ہیں لہٰذا جلد سے جلد آجاؤ۔ خبر ملتے ہی وہ فوراً دربار میں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ سلامت نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہا اس کو بیچ آؤ، وہ پتھر تقریباً دس من وزن کا تھا، اور یہ بھی کہا کہ پتھر میں جتنا وزن ہے اتنا ہی روپیہ وزن میں لے کر آؤ، وہ اس پتھر کو بیل گاڑی میں لاد کر چلا اور دن بھر شہر کی گلی میں گھوم گھوم کر صدا لگاتا رہا پتھر لو پتھر لو۔ اب پتھر کون لے اگر اتفاق سے کوئی پوچھتا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ تو کہتا کہ جتنا اس پتھر میں وزن ہے اتنا ہی روپیہ دینا ہوگا، یہ سن کر لوگ تعجب میں پڑ جاتے اور ہنستے، اس کا مذاق اڑاتے، دن بھر شہر میں گھومتا رہا کسی نے پتھر نہیں خریدا۔ شام کو اپنی بہن کے گھر جا کر پتھر واپس کر دیا اور کہا اتنی قیمت میں پتھر کون خریدے گا، بادشاہ سلامت نے شام کو اپنی صاحبہ سے پوچھا آپ کے بھائی پتھر بیچنے کو گئے تھے کیا ہوا؟

بیگم صاحبہ نے کہا آپ نے کام بتایا تو ایسا بتایا کہ جو عقل کے بھی خلاف ہو۔ اس پتھر کا وزن تقریباً دس من ہے اور آپ نے اتنے ہی وزن میں روپیہ لانے کو کہا اس پتھر کے وزن کے برابر کون روپیہ دے گا؟ آپ خواہ مخواہ میرے بھائی کا مذاق اڑاتے ہیں وہ بے چارہ صبح سے شام تک شہر کی گلیوں میں چکر کاٹتا رہا، آواز لگاتا رہا، آواز لگاتے لگاتے اس کا گلا بھی بیٹھ گیا، لیکن پتھر کے برابر اس کی قیمت دینے کو کوئی تیار نہیں ہوا، بلکہ لوگوں نے اس کا مذاق الگ سے اڑایا، وہ اس پتھر کو ہمیں واپس دے کر چلا گیا۔ آپ بیربل کے ذریعہ اس کو بکوائیں اور اس کے وزن کے برابر روپیہ اس سے لیں تو ہم بھی دیکھیں کہ آپ کا بیربل کتنا عقل مند ہے آج اس کا بھی امتحان ہو جائے گا۔ بادشاہ نے کہا اچھا ابھی ہم اس کو بلا کر بھیجتے ہیں، اسی وقت بیربل کو بلایا اور کہا اس پتھر کو بیچ آؤ اور یہ بھی سمجھ لو اس پتھر کے وزن کے برابر روپیہ لیکر آنا۔ بیربل نے کہا اچھا حضور ابھی جاتا ہوں۔ بیربل پتھر کو بیل گاڑی میں لاد کر چلا اور جہاں بڑے بڑے مالداروں کے مکان تھے

اس چوراہے کے بیچ میں پتھر رکھ دیا اور دوربین لگا کر دیکھنے لگا تو بہت سے لوگ پاس پڑوس کے جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے بیربل بھائی یہ کیا کر رہے ہو، بیربل جانا پہچانا آدمی تھا اور پھر دربار میں جو اس کی عزت تھی سب کو ہی معلوم تھی۔ بیربل نے کہا بادشاہ سلامت کے محل تک جانے کا راستہ یہاں سے نکالنا ہے، یہ سنکر بڑے بڑے مالدار گھبرا گئے کیوں کہ ان سب کے مکان گرانے کے بعد ہی وہ راستہ محل تک نکل سکتا تھا۔ اب یہ سب بیربل کو سمجھانے لگے کہ آپ ذرا سا پتھر کو گھما کر راستہ نکالنے کی مہربانی کریں تا کہ ہمارے مکان بچ جائیں اور اس کے لئے بیربل کو رقم دینے لگے کوئی ایک ہزار دیتا کوئی دو ہزار۔ اس چوراہے سے رقم جمع کر کے دوسرے چوراہے پر لے جا کر پتھر کو گاڑ دیا وہاں بھی یہی بات ہوئی اسی طرح دن بھر میں چار پانچ چوراہے پر پتھر کو رکھا اور اٹھایا، دن بھر میں پتھر کے وزن سے بھی زیادہ روپیہ جمع ہو گیا کیوں کہ اس زمانے میں نوٹ نہیں ہوتے تھے، چاندی اور سونے کا سکہ چلتا تھا۔ شام کو بیربل نے دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا حضور یہ آپ کا پتھر ہے اور اسکے وزن کے برابر روپیہ۔ یہ کہہ کر پتھر اور روپیہ بادشاہ کے حوالے کر کے چلا گیا۔

بادشاہ نے اپنی بیگم صاحبہ سے کہا دیکھا بیربل کا معاملہ وہ پتھر بھی واپس لے آیا اور اس کے وزن سے زیادہ روپیہ بھی۔ یہی وجہ ہے کہ میں ہر کام بیربل سے لیتا ہوں۔ اس کے بعد کبھی بھی بیگم صاحبہ نے اپنے بھائی کی سفارش نہیں کی۔

فائدہ

ذہین اور تیز آدمی اپنی ذہانت کے ذریعہ بہت کچھ وہ چیزیں حاصل کر لیتا ہے، جو ایک عام آدمی نہیں حاصل کر پاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جن حضرات کو ذہانت عطا فرمائی ہے انھیں چاہیے کہ وہ اسے دین کے کاموں میں لگائیں اور اس کے ذریعہ جنت کے اعلی درجات حاصل کریں، جو دائمی

چیز ہے۔ دنیا کے حصول کے لیے اسے خرچ کرنا اور آخرت سے غفلت برتنا ایک اعلیٰ چیز کو معمولی چیز کے لیے استعمال کرنا ہے، اسے کسی بھی صورت سے عقل مندی نہیں کہا جاسکتا۔

☆☆☆☆
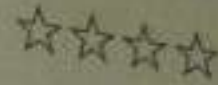
(۵۶)

﴿میں تو کہہ دوں گی﴾

ایک راجہ تھا وہ صبح سویرے بیت الخلاء گیا۔ اتفاق سے بیت الخلاء میں ایک بیر پڑا ہوا تھا بیر بہت ہی بہتر پکا ہوا تھا، کسی بچے کی جیب سے یا ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا ہوگا۔ راجہ جب بیت الخلاء میں بیٹھ گئے تب انکی نظر اس بیر پر پڑی، بیر بھی ایسا بہترین پکا ہوا خوب صورت تھا کہ راجہ کی طبیعت للچا گئی، راجہ نے اسے وہاں سے اٹھایا اور دھو کر کھا گیا۔ سوچا کہ یہاں کون دیکھ رہا ہے، روح تو سب کی یکساں ہوتی ہے چاہے راجہ ہو یا فقیر۔ بیر کھا لینے کے بعد راجہ بیت الخلاء سے نکلا نہایا دھویا اور شاہی لباس پہن کر دربار میں پہنچا دوسرے امیر امراء اور وزیر پہلے سے دربار میں موجود تھے۔ دربار میں پہلے تو کچھ دیر گانا بجانا ہوتا ہے وہ گانے والی عورت ہو یا مرد بہر حال گانا ہوتا ہے، گانا ہوجانے کے بعد پھر دربار میں دوسری بات چیت شروع ہوتی ہے۔

جب محفل میں سب لوگ جمع ہوگئے تو گانے والی ایک عورت آئی وہ کچھ دیر تک تو ناچتی رہی پھر اس نے گانا شروع کیا۔ اتفاق سے اس گانے والی عورت نے گانے کی پہلی بحر جو اٹھائی وہ یہ تھی ''راجہ جی میں تو کہہ دوں گی''۔ یہ سن کر راجہ گھبرا گیا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ اس نے مجھے کہاں دیکھ لیا کہ میں بیت الخلاء میں بیر کھا رہا تھا۔ راجہ اس گانے والی کو سو سو روپیہ

دینے لگا صرف اس غرض سے کہ یہ مصرعہ نہ گاوے جب اس بحر پر گانے والی کو رقم ملنے لگی تو وہ یہ سمجھی کہ راجہ کو یہ مصرعہ پسند آگیا ہے اسی وجہ سے مجھے انعام مل رہا ہے۔ ادھر راجہ کا میٹر فاسٹ ہو رہا تھا کہ یہ کم بخت کہاں چھپ کر کھڑی تھی کہ مجھے دیکھ لیا۔ بہر حال اس گانے والی نے پھر کہا ''راجہ جی میں تو کہہ دوں گی''۔

راجہ بہت گھبرایا کہ اس کو کیسے خاموش کیا جائے تو پانچ پانچ سو روپیہ دینے لگا تا کہ یہ خاموش ہو جائے اور بیت الخلاء والی بات اوپن نہ ہونے پائے، جب اسے پانچ پانچ سو روپے ملنے لگے تو مارے خوشی کے پھولی نہیں سمائی اور راجہ کی طرف دیکھ دیکھ کر اور انگلی کا اشارہ کر کر کے گانے لگی ''راجہ جی میں تو کہہ دوں گی''۔ پانچ پانچ سو روپیہ دینے پر بھی جب وہ خاموش نہ ہوئی تو راجہ کو غصہ آگیا اور گانیوالی سے کہا کہہ دے کہہ دے بیت الخلاء سے اٹھا کر میں نے ایک بیر کھایا ہے۔ اتنا روپیہ دینے کے باوجود کہتی ہے میں کہہ دوں گی تو کہہ دے۔ یعنی راجہ نے خود ہی کہہ دیا کہ میں نے بیت الخلاء سے اٹھا کر بیر کھایا تھا۔

فائدہ

مثل مشہور ہے ''چور کی داڑھی میں تنکا''۔ بعض مرتبہ انسان اپنی حماقتوں سے اپنے راز کو خود ہی فاش کر دیتا ہے، اسی کی ایک مثال یہ واقعہ بھی ہے۔

اس واقعہ سے یہ سبق ضرور ملتا ہے کہ انسان کو تنہائی میں بھی کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہیے کہ اگر اس پر دوسرا مطلع ہو جائے تو رسوائی اٹھانی پڑے۔ جو لوگ معاصی کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں افسوس وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کل میدان محشر میں پوری مخلوق کے سامنے رسوائی اٹھانی پڑے گی۔

☆☆☆☆

(۵۷)

﴿تب ہی ٹیڑھا میڑھا اڑ رہا تھا﴾
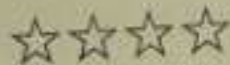
دو میاں بیوی تھے میاں بہت ہی سیدھے سادھے تھے، لیکن بیوی بہت ہی کڑے مزاج کی تھی اسلئے اپنے میاں سے کبھی خوش اخلاقی سے بات چیت نہیں کرتی تھی، حالانکہ میاں اس کو خوش کرنے کی بے حد کوشش کرتا تھا۔ بیوی کے لئے اچھا سے اچھا زیور بنوا کے لائے اور کہے کہ دیکھو تمہارے لئے کتنا اچھا زیور بنوا کر لایا ہوں۔ زیور کو دیکھتے ہی بیوی منہ بگاڑ کر کہتی ہے یہ کیا زیور لائے ہو اس کا گھاٹ تو مینڈک جیسا ہے، تمہیں زیور بنوانا ہی کہاں آتا ہے۔

بیوی کے لئے عمدہ سے عمدہ کپڑا خرید کے لائے اور کہے تمہارے لئے کتنا اچھا کپڑا لایا ہوں، بیوی کپڑے کو دیکھتے ہی منہ بگاڑ کر کہتی ہے کیا کپڑا لائے ہو نہ اس کا رنگ ٹھیک ہے نہ ہی سوت اچھا ہے، ایک مرتبہ ہی دھلنے سے بیکار ہو جائے گا، پیسہ پھینک کر چلے آئے ہو۔ کبھی اچھی سے اچھی مٹھائی لاتا اور کہتا بیوی چکھو تو، دیکھو کتنی عمدہ اور لذیذ مٹھائی ہے، تو بیوی مٹھائی کو منہ میں ڈالتے ہی منہ بگاڑ لیتی اور کہتی تم کو کچھ خریدنا بھی نہیں آتا ہے، تمہارا سب پیسہ مفت میں جاتا ہے، انتہائی ردی مٹھائی ہے۔

بہر حال میاں اپنی بیوی کو خوش کرنے میں کامیاب نہیں ہوا تو اس کے دل میں آیا کہ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ خودکشی کر کے مر جاؤں، بھلے ہی جہنم میں جاؤں مگر اس سر پھری بیوی سے نجات مل جائے گی۔ یہ سوچ کر ایک بڑے پہاڑ پر چڑھ گیا اور وہیں سے چھلانگ لگا کر مر جانے کا ارادہ کر لیا۔ اتفاق سے نیچے جو نگاہ پڑی تو دیکھا کہ سامنے والے پہاڑ کی کوہ میں ایک فقیر بیٹھے ہوئے اللہ اللہ کر رہے ہیں، اس نے سوچا ایسے مروں گا جہنم میں جاؤں گا اس سے بہتر ہے کہ اس

بابا کی خدمت کر کے اللہ تعالی کی رضامندی حاصل کر لوں، یہ سوچ کر وہ پہاڑ سے نیچے اتر آیا اور بابا کی خدمت میں لگ گیا، اب کہیں سے دودھ لے آئے، کہیں سے شکر اور کہیں سے چائے کی پتی، بابا کو چائے بنا بنا کر پلاوے، کہیں سے روٹی لائے اور بابا کو کھلائے، کپڑے دھوئے، جھاڑو لگا کر صاف ستھرا رکھے۔ غرض کہ جتنی بھی خدمت ہو سکتی تھی کرتا تھا۔ اپنی جانب سے بابا کی خدمت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا تھا۔ اللہ تعالی کے فضل و کرم سے بابا صاحب ولایت تھے اس کی خدمت سے بہت خوش ہوئے اور اس کو ایسی دعا دی کہ ماشاء اللہ وہ بھی ولی ہو گیا اور ولایت بھی اتنے اونچے درجے کی ملی کہ وہ آسمان پر اڑنے لگا۔

ایک روز اس کے دل میں یہ احساس ہوا کہ اب تو میں اپنی بیوی کو آسمان پر اڑ کر دکھاؤں تب تو وہ میری تعریف ضرور کرے گی۔ یہ سوچکر یہ وہیں بابا کے پاس سے اڑا اور اپنے قصبہ تک آیا۔ قصبہ کے اوپر پلین کی طرح چکر کاٹنے لگا اور اتنا اونچا اڑ رہا تھا کہ پہچانا نہیں جا رہا تھا لڑکوں نے جو دیکھا تو شور کر دیا کہ آدمی آسمان پر اڑ رہا ہے یہ شور اور بچوں کا ہنگامہ سن کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور اس کو دیکھنے لگے۔ اس کی بیوی بھی گھر سے باہر نکل کر دیکھنے لگی تو دیکھا واقعی ایک آدمی آسمان پر اڑ رہا ہے، اب تو پڑوس میں جتنی عورتیں رہتی تھی سب کو اس نے آواز لگانا شروع کیا اے فتو! اے صبین ! اے سکینہ ! اے حلیمہ! دیکھ تو سہی یہ آدمی آسمان پر اڑ رہا ہے، میں ایسے انسان کو ولی سمجھتی ہوں جو اللہ کی راہ میں فنا ہو جائے، ہمارے جو مرد ہیں نا وہ نفس پرست، دنیا کے غلام، دنیا کی خواہشات سے ان کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔

اس نے اڑتے اڑتے ہی نیچے دیکھا کہ نیچے ایک اچھا خاصا مجمع مردوں عورتوں اور بچوں کا جمع ہو گیا ہے اور سب مجھ کو ہی دیکھ رہے ہیں، اس نے سوچا ان دیکھنے والوں میں میری بیوی بھی ہوگی اور یقیناً مجھے دیکھ لیا ہوگا۔ بہر حال کچھ دیر تک تو وہ اڑتا رہا پھر کچھ دور جا کر زمین پر

اترا اور وہیں سے پیدل چل کر اپنے گھر آیا۔ اس کو اپنے گھر سے نکلے ہوئے تقریباً دوڈیڑھ سال ہوگئے تھے جیسے ہی اس نے اپنا قدم گھر میں رکھا بیوی اس پر برس پڑی اور اس کا ٹیپ ریکارڈ بج شروع ہوگیا کہ اتنے عرصے تک تو کہاں مر گیا تھا۔ میاں نے کہا میں ایک اللہ والے بابا کی خدمت کرنے کے لیے ان کے پاس رک گیا تھا۔ بیوی کی لنترانیاں اور بڑھ گئیں اور کہنے لگی تو کیا اللہ والوں کی خدمت کرے گا تو تو پکا "وہابڑا" (وہابی) ہے اولیاؤں کا منکر، تو بھلا کیا اللہ والے بابا کی خدمت کرے گا۔ ایک اللہ والے کو تو میں نے آج اپنی آنکھوں سے یہاں گھر پر بیٹھے بیٹھے دیکھ لیا۔ میاں نے پوچھا وہ اللہ والے آپ کو یہاں گھر پر بیٹھے کہاں سے مل گئے؟ بیوی نے کہا یہاں پر آج ایک اللہ والے آسمان پر اڑ رہے تھے اور اس قصبہ کے سیکڑوں آدمیوں عورتوں اور بچوں نے دیکھا۔ میاں نے کہا جا رے جا جھوٹی کہیں کی، کہیں آدمی آسمان پر اڑتا ہے؟ بیوی نے کہا میں بالکل سچ کہتی ہوں اور پھر میں نے اکیلے ہی نہیں دیکھا اگر آپکو میری بات پر یقین نہیں آتا ہے تو سکینہ سے، حلیمہ سے، حسینہ سے پوچھ لو یہ سب عورتیں اس وقت موجود تھیں بلکہ پورے قصبہ کے لوگوں نے دیکھا، تیرا تو عقیدہ خراب ہوگیا ہے تیرے پر وہابیت سوار ہوگئی ہے، اسی وجہ سے تو اولیاء اللہ کو مانتا ہی نہیں۔ میاں نے پوچھا کیا سچ مچ آسمان پر اڑ رہا تھا، بیوی نے کہا خدا کی قسم بالکل سچ بولتی ہوں میں نے اپنی آنکھوں سے اللہ والے کو اڑتے ہوئے دیکھا۔ میاں نے کہا اسے پہچانا نہیں وہ میں ہی تھا جو آسمان پر اڑ رہا تھا۔ یہ سنکر بیوی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا اور تعجب سے کہنے لگی کیا واقعی تو ہی آسمان پر اڑ رہا تھا، میاں نے کہا ہاں بیوی وہ میں ہی تھا، تو بیوی منہ بگاڑ کر کہنے لگی تب ہی تو ٹیڑھا ٹیڑھا اڑ رہا تھا، اسی وجہ سے میں سوچ رہی تھی کہ یہ ٹیڑھا کیوں اڑ رہا ہے، اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ تو تھا۔

فائدہ

عورت کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ اس کی پیدائش بائیں پسلی سے ہوئی ہے۔ بائیں پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے اس لیے اس کے مزاج میں بھی کچھ نہ کچھ ٹیڑھا پن ضرور رہے گا، اسی وجہ سے حدیث شریف میں ان لوگوں کی فضیلت آئی ہے جو اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ حسن خلق کا معاملہ کرتے ہیں۔

☆☆☆☆

(۵۸)
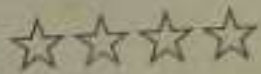
تبرک میں داڑھی تقسیم ہوگئی

ایک چھوٹا سا قصبہ تھا اس میں ایک مسجد تھی، قصبہ والوں نے ایک نقلی مولوی کو امامت کے لئے رکھ لیا تھا۔ وہ مولوی کسی دوسرے مولوی کو قصبہ میں آنے نہیں دیتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ اگر کوئی دوسرا مولوی آجائے گا تو میرا بھاؤ گر جائے گا۔ اتفاق سے ایک حق پرست عالم کہیں سے اس قصبہ میں چلے آئے اور وہیں ان کو رات ہوگئی، انھوں نے سوچا کہ رات مسجد میں گزار لوں، یہ سوچ کر مسجد میں چلے گئے، اتفاق سے عشاء کی جماعت ہوچکی تھی کچھ صاحبان ابھی بیٹھے ہوئے تھے آنے والے مولوی صاحب نے سلام کیا مگر کسی نے سلام کا جواب نہیں دیا، اس لئے کہ ان مولوی صاحب کی ڈاڑھی شریعت کے مطابق لمبی تھی، جس سے بات واضح تھی کہ مولوی صاحب وہابی ہیں۔ آج ہندوستان میں اس قسم کی جہالت ہے کہ لمبی ڈاڑھی والوں کو وہابی کہا جاتا ہے اور

والی چھوٹی داڑھی والے کو بھی۔ سنیوں کا کہنا ہے کہ وہابی کے سلام کا جواب دینے سے سنی ایمان سے خارج ہو جائے گا اور نکاح ٹوٹ جائے گا۔

یہ مولوی صاحب جب مسجد میں داخل ہوئے تو لوگوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا میں عالم ہوں گجرات سے آیا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا مسجد میں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا ایک رات مسجد میں ٹھہروں گا، صبح کو چلا جاؤں گا۔ ان لوگوں نے کہا یہاں پر رات ٹھہرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ انھوں نے کہا میں کوئی چور ڈاکو نہیں ہوں اگر یہاں کوئی ہوٹل ہوتا تو میں اسی میں کمرہ لیکر ٹھہر جاتا۔ ان لوگوں نے کہا اگر تم کو یہاں رات رکنا ہے تو ہمارے مولوی صاحب سے مناظرہ کرنا ہوگا۔

آجکل مناظرے کا رواج ہو گیا ہے خود کو تو استنجے تک کا مسئلہ معلوم نہیں اور مناظرہ کرنے کرانے کے لئے تیار ہیں۔ بہر حال ان مولوی صاحب نے سوچا مناظرہ کر لیا جائے اور ہار مان کر ایک رات یہاں رہ لیں اس سردی میں کہاں جائیں، سردی کا زمانہ تھا۔ مولوی صاحب بھی سیاسی آدمی تھے انھوں نے مناظرہ قبول کر لیا اور کہا بلاؤ اپنے مولوی صاحب کو، ان لوگوں نے ایک آدمی کو بھیجا کہ اپنے مولوی صاحب کو بلالاؤ اور کہنا کہ ایک وہابی آیا ہے اس سے مناظرہ کرنا ہے وہ گیا اور مولوی صاحب کو بلایا۔ جب وہ آئے تو انھوں نے مولوی صاحب سے پوچھا آپ سندی عالم ہیں؟ مولوی صاحب نے جواب دیا جی ہاں۔ پوچھا کہاں کی سند ہے؟ مولوی صاحب نے کہا دیوبند کی۔ دیوبند کا نام سنتے ہی سب چونک گئے کہ اب تو اس کے وہابی ہونے میں کوئی شک کی گنجائش ہی نہیں۔

مقامی مولوی نے پوچھا تم سوال کرتے ہو کہ میں سوال کروں؟ مولوی صاحب کو ہار مان کر ایک رات مسجد میں رکنا تھا اس لئے کہا کہ آپ ہی سوال کریں۔ مقامی مولوی نے ایک

گول دائرہ بنا کر پوچھا بتاؤ یہ کیا ہے؟ اب گول دائرے میں بیچارہ کیا بتائے کوئی عربی عبارت یا فارسی عبارت ہوتی تو پڑھکر مطلب بتلاتے، اس گول دائرے میں کیا بتائے۔ مولوی صاحب تیز آدمی تو تھے ہی سمجھ گئے کہ یہ سب کے سب بالکل ہی گئے گذرے جاہل قسم کے لوگ ہیں اور ان کا مولوی اندھوں میں کانا راجہ بنا ہوا۔ مولوی صاحب نے مقامی مولوی کی تعریف کرنی شروع کردی کہا ماشاء اللہ آپ تو معرفت کی منزل طے کر چکے ہیں، حضرت جی میں تو وہاں تک نہیں پہنچا یہ آپ ہی بتا سکتے ہیں اگر آپ بتا دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ یہ الفاظ سنتے ہی مقتدی سب پھول گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے مولوی صاحب کے سوال کا جواب دنیا میں کسی کے پاس نہیں۔

آنے والے مولوی نے کہا حضرت جی آپ ہی بتا دیں تو بڑی مہربانی ہوگی کہ یہ گول دائرہ کیا ہے میری سمجھ میں نہیں آیا، تو مقامی مولوی نے اپنے معتقدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "وہابڑے" کیا جانیں، ارے یہ گول دائرہ باجرے کی روٹی ہے وہ گول ہی بنتی ہے اور ہم لوگ سردی کے موسم میں باجرے ہی کی روٹی کھاتے ہیں۔ یہ سن کر آنے والے مولوی صاحب نے ان مولوی کے داڑھی کا ایک بال توڑ کر اس کو چوما، آنکھوں سے لگایا، سر پہ رکھا اور کہا خدا کی قسم ایسا عالم میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا، جس گھر میں آپ کے مولوی صاحب کی داڑھی کا ایک بال ہوگا اس کے گھر میں قیامت تک برکت ختم نہیں ہوگی۔ یہ اعلان سنتے ہی جتنے لوگ وہاں پر موجود تھے سب کے سب اس کی داڑھی پر ٹوٹ پڑے اور کھینچم کھینچا کر کے ساری داڑھی اکھاڑ لے گئے۔ مولوی صاحب تو بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے لوگوں نے انکو اٹھا کر کمرے میں چارپائی پر ڈال دیا۔ اتفاق سے گاؤں کے چودھری پہلے سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے وہ دوسرے دن گھر آئے اور بیوی نے سارا واقعہ بیان کیا تو چودھری نے کہا ابھی میں بھی دو چار بال اکھاڑ کر

لاتا ہوں، چودھری کی بیوی نے کہا اب تو ایک بال بھی داڑھی میں نہیں بچے جتنے بال تھے سب لوگ اکھاڑ لے گئے، چودھری نے کہا اگر بال نہیں ہیں تو کیا ہوا میں اس کی چمڑی برکت کے لیے اتار کر لاتا ہوں۔

فائدہ

یہیں سے یہ مثل مشہور ہو گئی کہ ہوش میں رہنا کہیں "تبرک میں داڑھی تقسیم نہ ہو جائے"۔ یہاں ہندوستان میں بریلوی طبقہ کے مولویوں نے آخرت سے بے پرواہ ہو کر حقیر دنیا کے حصول کے لیے جاہل عوام کو نہ جانے کس کس طرح سے بیوقوف بنا رکھا ہے، انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علمائے حق کو وہابی کہہ کر ان سے نہ ملنے دیتے ہیں اور نہ ان کی باتیں سننے دیتے ہیں تاکہ ان کے پھندے سے کبھی بھی نہ نکل سکیں اور اگر کسی نے سن لیا یا ملاقات کر لی تو اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر جماعت سے بائیکاٹ کر دیتے ہیں۔ اس لیے بیچاروں کے کانوں میں تاحیات حق بات پہنچ نہیں پاتی اور وہ گمراہی کے دلدل میں پھنسے رہ جاتے ہیں۔ یا اسفا

☆☆☆☆

(۵۹)

نفع میرا نقصان تمہارا

دو بھائی تھے، بڑا بہت مالدار تھا چھوٹا غریب تھا۔ اتفاق سے بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا تو اس کی بیوی رونے لگی۔ اڑوس پڑوس کے مرد و عورت سب اسے تسلی دینے کے لیے جمع ہو

گئے، ان لوگوں میں اس کا غریب دیور بھی تھا۔ عورت نے روتے روتے کہا ہزاروں روپیہ خرچ کر کے یہ بلڈنگ بنوائی ہے اب اس میں کون رہے گا، تو دیور نے کہا بھابھی آپ کیوں روتی ہیں میں تو زندہ ہوں، میں رہوں گا۔ پھر عورت نے روتے روتے کہا پچاس پچاس ہزار روپیہ کی کار خرید کر گیا ہے اس میں کون تفریح کرے گا؟ دیور پھر بول پڑا اور کہا بھابھی صاحبہ میں تفریح کروں گا تو کاہے کو روتی ہے۔

عورت نے روتے روتے پھر کہا ہزاروں روپیہ خرچ کر کے باغ لگوایا اس میں کون ٹہلے گا؟ دیور نے کہا بھابھی رومت میں ٹہلوں گا۔ ہر بات کا جواب دیور دے رہا تھا دوسرے لوگ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ عورت نے پھر روتے ہوئے کہا پچاس ہزار کا قرض چھوڑ کر گیا ہے اس کو کون ادا کرے گا۔ تو دیور نے دوسرے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: ارے بھائی تم لوگ بھی تو کچھ بولو گے، میں اکیلا ہی ہر بار بول رہا ہوں اور آپ سب صاحبان خاموش بیٹھے ہوئے ہیں یہ کون سی شرافت ہے ہماری بھابھی صاحبہ کا یہ آخری سوال ہے، کم سے کم اس کا تو جواب دے دیں، بڑی مہربانی ہوگی۔

فائدہ

یہی حال اس زمانے کے اکثر لوگوں کا ہے کہ نفع میں ہر ایک شامل ہونا چاہتا ہے، لیکن گھاٹے یا مصیبت کے وقت دامن جھاڑ لیتا ہے۔ فقط معمولی دنیا کے حصول کے لیے تعلقات رکھے جاتے ہیں اور جب معمولی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے تو انسانیت و شرافت کو پس پشت ڈالتے ہوئے تعلقات ختم کر لیے جاتے ہیں۔

☆☆☆☆

(۲۰)

جو تو میرا تو سب میرا

ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے بادشاہ تھے اور بہت ہی نیک ولی صفت تھے، ان کے پاس ایک حبشی لونڈی تھی، کالی اس قدر کہ آنکھیں صرف اس کی نظر آتی تھیں، لیکن بادشاہ سلامت اس کو بہت چاہتا تھا اور ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ کبھی کبھی درباری لوگ بادشاہ سے کہتے تھے کہ آپ کی حکومت میں لونڈیوں کی کیا کمی ہے، آپ کسی اچھی خوبصورت لونڈی کو ساتھ میں رکھا کریں یہ کالی بطاخ لونڈی آپ کے ساتھ اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ بادشاہ سلامت ہنس کر بات ٹال دیتے تھے۔ ایک روز بادشاہ کے دل میں آیا کہ ان درباریوں کے سوال کا جواب ہو جانا چاہیے چنانچہ ایک دن بھرے دربار میں بادشاہ نے کہا آج ہم ایک اعلان کرتے ہیں آپ صاحبان کان لگا کر سن لیں۔ سب درباری چونک گئے کہ نامعلوم کیا اعلان ہوگا جب سب کی نگاہیں اور کان اعلان سننے کے لئے چوکنا ہو گئے تو بادشاہ سلامت نے کہا: میری حکومت میں جو کچھ ہے اور جتنا ہے اس میں سے جس انسان کو جو چیز پسند ہو اس پر اپنا ہاتھ رکھ دے وہ چیز اس کی ہو جائے گی۔ یہ اعلان سنتے ہی لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی کہ پہلے ہاتھ رکھ دیں ورنہ کوئی دوسرا رکھ دے گا۔ الحاصل جس کو جو چیز پسند آئی سب لوگوں نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ بادشاہ کے پاس کوئی آدمی نہیں بچا جس نے کسی نہ کسی چیز پہ ہاتھ نہ رکھا ہو سوائے اس کالی بطاخ لونڈی کے بادشاہ جسے بہت چاہتا تھا وہ بادشاہ کے پاس کھڑی مسکراتی رہی اور کسی چیز کے اوپر ہاتھ نہیں رکھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا تجھے کوئی چیز پسند نہیں ہے کیا؟ لونڈی نے کہا پسند تو ہے بادشاہ نے کہا جب پسند ہے تو تو بھی اپنا ہاتھ اس کے اوپر رکھ دے۔ لونڈی نے کہا میں جس پہ ہاتھ رکھوں گی کیا وہ

میرا ہو جائے گا بادشاہ نے کہا ہاں جس پہ تو ہاتھ رکھے گی وہ تیرا ہو جائے گا۔

یہ سن کر لونڈی نے اپنا ہاتھ ہارون الرشید بادشاہ کے اوپر رکھ دیا اور کہا مجھے آپ پسند ہیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر سب درباری شرمندہ ہو گئے کہ ہماری عقل کہاں ماری گئی تھی اگر ہم بھی بادشاہ کے اوپر ہاتھ رکھ دیتے تو بادشاہ ہمارا ہو جاتا، جب بادشاہ ہمارا ہو جاتا تو ساری سلطنت ہماری ہو جاتی۔

سب کے سب درباریوں کے سوال کا جواب ہو گیا کہ تم لوگ مال و دولت سے محبت رکھتے ہو اور یہ لونڈی مجھ سے، اس لئے اس کو سب سے زیادہ چاہتا ہوں اور اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔

فائدہ

اصل یہی ہے کہ آدمی جس سے اظہار تعلق کرے تو پھر یکسو ہو کر اس کے ہر حکم پر جان قربان کر دے، اس کے حکم کی اطاعت سے مانع نہ تو کوئی دولت ہو اور نہ کوئی طاقت، محبت اور عشق درحقیقت اسی کو کہتے ہیں۔ اور اگر یہ جذبہ نہیں ہے تو صحیح بات یہ ہے اس کو محبت ہے ہی نہیں، بلکہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

جیسے ہندوستان میں بریلوی فرقہ ہے، اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کا دعویٰ ہے، لیکن آپ ﷺ کی کسی بھی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزانہ نت نئی خرافات و بدعات ایجاد کر کے حلوے مانڈے کا انتظام کرتے رہتے ہیں، اگر نبی ﷺ سے محبت ہوتی تو خلاف شریعت و سنت کوئی عمل کرنے کی ضمیر کیسے اجازت دیتا۔

☆☆☆☆

(۶۱)

تین بیسو سو

ایک چھوٹا سا قصبہ تھا وہاں کا چودھری تین بیسو یعنی تین بیس کا سو روپیہ گنتا تھا، جب کوئی قرض لینے اس کے پاس آتا تو تین بیس کا سو گن کر دیتا تھا، ایک مرتبہ سب لوگ چوراہے پر بیٹھے بات چیت کر رہے تھے تو چودھری نے کہا تین بیسو ایک سو ہوتا ہے۔ گاؤں والے چودھری کا لحاظ کرتے تھے اس وجہ سے ان کی بات کوئی جھٹلاتا نہیں تھا، ایک نوجوان لڑکا تعلیم یافتہ اتفاق سے بیٹھا ہوا تھا اس نے چودھری صاحب سے کہا کہ تین بیسو ایک سو ہوتا ہے، یہ آپ نے کہاں سے سیکھا، چودھری نے کہا اس میں سیکھنے کی کیا ضرورت ہے ہمارے باپ دادا اسی طرح گنتے آرہے ہیں۔ لڑکے نے کہا آپ کے باپ دادا سب غلط گنتے تھے تین بیسو ایک سو نہیں ہوتا بلکہ پانچ بیسو ایک سو ہوتا ہے، اب پوری جماعت میں چودھری صاحب کی بے عزتی ہو رہی تھی یہ چودھری کو کب برداشت تھا۔ چودھری نے لڑکے سے کہا تو چھوٹا ہے چاہے اس پر شرط لگالے لڑکے نے قبول کرلیا اور ایک ہزار روپیہ کی شرط لگا کر فیصلے کی تاریخ طے کرلی، اور یہ بھی طے کرلیا کہ فیصلے کے لیے آس پاس کے چودھریوں کو بلایا جائے وہ جو فیصلہ دیں ہم دونوں کو منظور ہو۔

بات ختم ہونے کے بعد چودھری اپنے گھر گیا اور اس لڑکے کی شکایت اپنی بیوی سے کرنے لگا کہ وہ عجیب لڑکا ہے مجھے تو اس کا عقیدہ وہابیوں جیسا معلوم ہوتا ہے۔ بیوی نے پوچھا آخر بات کیا ہے ذرا بتاؤ تو صحیح۔ چودھری نے کہا وہ لڑکا جو پڑھ کر آیا ہے وہ پانچ بیسو کو ایک سو بتاتا ہے، جب کہ ہمارے باپ دادا سب کے سب تین بیسو کو ایک سو گنتے تھے۔ بیوی نے پوچھا پھر کیا ہوا۔ چودھری نے

کہا کہ میرے اور اس کے درمیان ایک ہزار روپیہ کی شرط لگی ہے کہ اگر پانچ بیسو کا ایک سو ہوتا ہے تو میں اس کو ایک ہزار روپیہ بطور جرمانہ دوں گا اور اگر تین بیسو کا ایک سو ہوتا ہے تو وہ مجھے ایک ہزار روپیہ دے گا۔ بیوی نے پوچھا آپ دونوں کا فیصلہ کون کریگا؟ چودھری نے کہا اطراف کے سب چودھریوں کو بلایا گیا ہے وہ فیصلہ دیں گے۔ بیوی سمجھدار تھی اس نے کہا چودھری صاحب آپ ہار جاؤ گے۔ یہ سن کر چودھری چونکا کہا کیسے ہار جاؤں گا۔ بیوی نے کہا صحیح یہی ہے کہ پانچ بیسو کا ایک سو ہوتا ہے۔ بیوی کی یہ بات سن کر وہ سہم گیا اور کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا کہ کوئی بات نہیں ہے میں بالکل ہار نہیں سکتا۔ بیوی نے کہا جب سب چودھری پانچ بیسو کو ایک سو کہیں گے تو آپ کیسے نہیں ہاریں گے۔ چودھری نے کہا کہ جب میں قبول کروں گا تب ہاروں گا اور میں جب مانوں گا ہی نہیں اور اپنی ہی بات ٹھوکم ٹھوک کرتا رہوں گا تین بیسو سو، تین بیسو سو تو پھر کیسے ہاروں گا؟

فائدہ

اصل بگاڑ یہی ہے کہ جب انسان یہ فیصلہ کرلے کہ ہمیں کوئی بات ماننی ہی نہیں ہے، وہ حق ہی ہو، ہمیں تو اپنی بات اونچی رکھنی ہے۔ تو اب اس کے اصلاح کی کوئی امید نہیں رہ جاتی۔ اس وقت امت میں جس قدر بگاڑ ہے اس میں اس سوچ کا بہت بڑا دخل ہے۔ اسی نے اصلاح کے تمام دروازوں کو بند کر کے رکھ دیا ہے، اس لیے کہ کوئی بھی اپنی ضد کے سامنے حق بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

(۶۲)

پانچ سو روپے والا طوطا

ایک آدمی نے ایک طوطا پالا اور اس کو سکھلایا ''پانچ سو روپے''۔ جب وہ بولنے میں

خوب اچھی طرح ماہر ہوگیا تو مالک بہت ہی خوبصورت پنجرہ لے آیا اور اس میں طوطے کو ڈال کر منڈی بیچنے لے گیا۔ ایک مالدار آدمی منڈی میں ٹہل رہا تھا اس کو طوطا پسند آ گیا۔ اس نے اس کے مالک سے پوچھا طوطے کی قیمت کیا ہے؟ مالک نے کہا حضور طوطے کی قیمت اسی سے پوچھو۔ خریدار نے طوطے سے پوچھا تیری قیمت کیا ہے؟ طوطے نے کہا پانچ سو روپے۔ خریدار یہ سن کر بہت خوش ہوا، فوراً جیب سے پانچ سو روپے نکال کر دیئے اور طوطے کو لے کر چلا گیا۔ جب گھر گیا تو طوطے سے کہا، طوطا کیا کھائے گا؟ طوطے نے کہا پانچ سو روپے۔ اس نے پوچھا اس کے علاوہ اور بھی کچھ بولنا جانتا ہے؟ طوطے نے کہا پانچ سو روپے۔ اب جو بات بھی طوطے سے پوچھتے طوطا اس کے جواب میں پانچ سو روپیہ کہتا۔ اس کے علاوہ اس کو کچھ سکھلایا ہی نہیں گیا تھا۔

فائدہ

یہی حال اس زمانے کے بدعتی مولویوں اور ان کے پیروکاروں کا ہے۔ ان مولویوں نے اپنے پیروکاروں کو بتلا دیا ہے نعرۂ رسول، یارسول اللہ۔ نعرۂ حیدری، یاعلی۔ غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے لگاتے رہو اور تیسواں چالیسواں ہمیں کھلاتے رہو، نجات کے لیے کافی ہے، نماز روزہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بیچارے احمق طوطے کی طرح یہ سب کہتے رہتے ہیں۔

☆☆☆☆

(۶۳)

﴿بینگن چور﴾

ایک کھیت تھا جس میں سبزی وغیرہ بوئی جاتی تھی۔ کھیت کو باڑی بھی کہتے ہیں۔ کھیت کے ایک طرف کنواں تھا، مالک نے اس کھیت میں جہاں ہر قسم کی سبزی بوئی تھی وہیں ایک کنارے بینگن بھی لگائے تھے۔ جب بینگن پھول پھل کر بڑے ہوگئے تو ایک چور بینگن چرانے کے لئے رات کو بارہ بجے آتا، اس چور کا نام تلاتل دھاری تھا، جہاں بینگن بوئے گئے تھے اس کے کنارے کھڑے ہوکر کہتا: "باڑی رے باڑی! تجھ سے پوچھے تلاتل دھاری! دو چار بینگن لے لوں" اتنا کہہ کر خود بخود کہتا: "لے لے نا دس بارہ" یہ کہہ کر دس بارہ بینگن توڑ لے جاتا، روزانہ اس کا یہی معمول تھا۔ اس کی سمجھ کے مطابق یہ تھا کہ میں تو اجازت لے کر توڑتا ہوں چوری نہیں کرتا۔

ایک دن کھیت کا مالک کھیت دیکھ رہا تھا جب بینگن کی طرف نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک طرف بالکل بینگن نہیں ہیں۔ وہ سوچ میں پڑ گیا یہاں سے بینگن کیا ہوئے کون لے جاتا ہے یقیناً کوئی چور آتا ہوگا۔ ایک رات کھیت کا مالک چھپ کر بیٹھ گیا اور دیکھنے لگا کہ کون بینگن لے جاتا ہے۔ کھیت کے مالک کا نام تھا "کھیما پھوا"، رات کو جب بینگن چور اپنی عادت کے مطابق آیا اور کھیت کے پاس جا کر کہنے لگا "باڑی رے باڑی تجھ سے پوچھے تلاتل دھاری دو چار بینگن لے لوں" اس کے بعد خود ہی کہا "توڑ لے دس بارہ" یہ کہہ کر دس بارہ بینگن توڑ لیا اور جھولے میں ڈال کر جب چلنے لگا تو کھیت والے نے پکڑ لیا اور ہاتھ باندھ دیئے پھر اس کی کمر میں رسی باندھ کر کنویں میں لٹکا دیا اور کنویں سے پوچھنے لگا "کنواں رے کنواں تجھ سے پوچھے کھیما پھوا اس چور کو دو چار غوطہ دلاؤں" پھر خود کہتا "کھلائے نا دس بارہ" یہ کہہ کر اس بینگن چور کو کنویں میں خوب قاعدے سے غوطہ کھلاتا۔

فائدہ

اہل بدعت کا یہی حال ہے کہ وہ بدعات، خرافات کو یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ یہ سب جائز ہے۔ حالاں کہ دین میں بغیر اللہ و رسول کے حکم کے معمولی زیادتی بھی جائز نہیں ہے۔ آخرت میں ان مبتدعین پر اسی بجین چور کی طرح جب ڈنڈے بجیں گے تو پتا چلے گا۔

☆☆☆

(۶۴)

الٹے دماغ کی عورت

ایک میاں بیوی تھے دونوں جنگل میں رہتے تھے اور وہیں کھیتی باڑی کرتے تھے، اس جنگل میں ایک بہت بڑی نہر تھی اسی کے کنارے ان لوگوں کی کھیتی تھی۔ عورت کے ماں باپ نہر کے دوسری طرف رہتے تھے، عورت دماغ کی بہت ازیل تھی خاوند جو کچھ کہتا اس کے الٹا کرنے میں اپنی کامیابی سمجھتی تھی اگر وہ کہتا چاول پکانا ہے تو وہ روٹی پکاتی، وہ کہتا روٹی پکانا ہے تو چاول پکاتی تھی۔ اسی طرح وہ ہر کام الٹا ہی کرتی تھی اور روزانہ نہر پار کر کے اپنے ماں باپ سے ملنے جانا فرض عین سمجھتی تھی۔

ایک مرتبہ بارش بہت ہوری تھی جس کی وجہ سے نہر لبالب بھری تھی، اس کے خاوند نے سوچا کہ اگر آج میری بیوی اپنے ماں باپ کے پاس گئی تو یقیناً بہہ جائے گی۔ میاں، بہت ہی نرم دل اور سیدھا تھا وہ اسے نرمی سے سمجھانے لگا کہ بیوی اللہ کے واسطے آج اپنے ماں باپ کے یہاں نہ جا کیوں کہ نہر سیلاب کی وجہ بالکل بھری ہوئی ہے تو ڈوب جاؤ گی۔ عورت تو الٹی کھوپڑی کی تھی وہ خاوند

کے کہنے کو بھلا کہاں ماننے والی تھی اس نے خاوند کے الفاظ جب سنے تو فوراً کہا کہ میں ضرور جاؤں گی چاہے کچھ بھی ہو۔ خاوند سوچ میں پڑ گیا کہ اس سے اچھا میں نے منع ہی نہ کیا ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ نہ جاتی میں نے ناحق منع کیا ہے اب کیا کروں۔ اسی سوچ میں تھا کہ اس کے دماغ میں ایک بات آئی اور اس نے بیوی سے کہا اچھا جانا ہے تو جا مگر بھینس لے کر مت جانا اور بھینس کی دم پکڑ کر نہ جانا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ الٹا ہی کرتی ہے جس سے میں منع کروں گا اسے ضرور کرے گی۔ تو وہ کہنے لگی میں جاؤں گی بھینس لے کر جاؤں گی اور اس کی دم پکڑ کر جاؤں گی۔

خاوند نے یہ سوچ کر کہا تھا کہ جب بھینس لے جانے سے منع کروں گا تو ضرور لے جائے گی۔ خاوند نے جب اس کے یہ الفاظ سنے کہ بھینس لے کر جاؤں گی تو اس کو تسکین ہوئی کہ بھینس ڈوبے گی نہیں اور یہ اس کی دم پکڑ کر جائے گی تو یہ بھی نہیں ڈوبے گی۔ بہر حال بیوی نے بھینس کو کھونٹے سے کھولا اور لے کر چلی، خاوند یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا لیکن کرے بھی کیا، جتنا اس کو سمجھائے وہ اس کا الٹا ہی کرتی تھی۔ خاوند بھی بیچارہ بیوی کے پیچھے پیچھے چلا کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ بیوی نے بھینس کو پانی میں ڈال دیا اور خود بھی پانی میں اتر کر اس کی دم پکڑ لیا اور تیرتے ہوئے جا رہی تھی۔ یہ منظر خاوند نہر کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھ رہا تھا، جب نہر کے بیچو بیچ پہنچی تو رحم دلی اور بھولے پن کی وجہ سے خاوند سے رہا نہ گیا اور اس نے زور سے آواز دے کر کہا اے بیوی بھینس کی دم مت چھوڑنا ورنہ ڈوب جائے گی۔ جب بیوی نے خاوند کی بات سنی تو فوراً بھینس کی دم چھوڑ دی اور کہا یہ چھوڑا لے۔

القصہ اس نے بھینس کی دم چھوڑ دی اور چھوڑتے ہی پانی میں بہہ گئی۔ پانی مشرق سے بہتا ہوا آ رہا تھا اور مغرب کی جانب بہتا جا رہا تھا یہ غریب روتا روتا بیوی کی لاش ڈھونڈنے کے لیے مشرق کی جانب جا رہا تھا جدھر سے پانی بہتا ہوا آ رہا تھا۔ راستے میں چار آدمی سنجیدہ قسم کے ملے اور

اس سے پوچھنے لگے کیوں بھائی روتے کیوں ہو، غریب کہنے لگا میری عورت پانی میں بہہ گئی ہے کنارے کنارے تلاش کرتا جا رہا ہوں کہ شاید اس کی لاش کہیں کنارے لگی ہو۔ ان لوگوں نے کہا بھائی پانی تو ادھر ہی سے بہتا ہوا آرہا ہے تم ادھر کیوں جا رہے ہو تمہیں تو مغرب کی جانب جانا چاہیے جدھر پانی بہتا ہوا جا رہا ہے۔ تو اس نے کہا بھائی میرے میری عورت الٹی کھوپڑی کی تھی ہر کام الٹا ہی کرتی تھی اس وجہ سے مرنے کے بعد بھی وہ مشرق کی طرف الٹی ہی بہتی جا رہی ہوگی۔

فائدہ

یہی حال آج اکثر لوگوں کا ہے کہ دین کی جو بھی بات بتلاؤ، کرینگے اس کے الٹا ہی۔ اگر آپ کہیں کہ بھائی برائی چھوڑ دو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، جہنم میں جلنا پڑے گا۔ تو سیدھا جواب دیں گے ہمیں جلنا پڑے گا تمہیں تو نہیں، ہم جل لیں گے، تمہارے پیٹ میں کیوں درد ہے۔ اس الٹی کھوپڑی کا کوئی علاج نہیں ہے۔

☆☆☆☆

(۶۵)
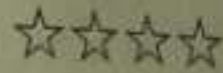
پائجامہ کی مصیبت

ایک بادشاہ تھا اس کا ایک چھوٹا بھائی ولی صفت انسان تھا، اسے حکومت وسلطنت سے کوئی سروکار نہیں رہتا تھا ایک تہبند پہن کر شہر میں گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ ایک روز بادشاہ سے کسی نے کہا حضور آپ کے بھائی صرف تہبند پہن کر شہر میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اچھا معلوم

نہیں ہوتا۔ کم سے کم آپ انکو اچھے کپڑے پہنا کر اپنے پاس رکھیں تاکہ حضور کی بدنامی نہ ہو۔ بادشاہ نے کہا اچھا اس کو ڈھونڈ کر میرے پاس لاؤ لوگ تلاش میں نکلے تو دیکھا کہ وہ ایک جگہ تنہا بیٹھے ہوئے ہیں لوگ سمجھا کر بادشاہ کے پاس لائے۔

بادشاہ نے ادب واحترام سے بٹھایا اور بڑی محبت سے سمجھانے لگا کہ بھائی میرے تہبند اتار کر پاجامہ کرتا پہن لو، تو چھوٹے بھائی نے کہا پھر تو مجھے پگڑی بھی باندھنی پڑے گی اور شیروانی بھی پہننی پڑے گی۔ بادشاہ نے کہا وہ بھی مل جائے گی۔ چھوٹے بھائی نے کہا پھر تو مجھے گھومنے اور تفریح کرنے کے لئے گھوڑا بھی چاہیے۔ بادشاہ نے کہا گھوڑوں کی کیا کمی ہے جیسا گھوڑا آپ پسند کریں گے ویسا ملے گا۔ اس نے کہا پھر تو مجھے بیوی اور مکان بھی چاہئے۔ بادشاہ نے کہا بھائی میرے آپ جس بادشاہ کی لڑکی کو پسند کریں گے انشاءاللہ ہم اسی بادشاہ کی لڑکی سے شادی کرادیں گے اور مکان کیا پورا محل آپ کے رہنے کے لئے پڑا ہوا ہے۔

اس نے کہا پھر تو مجھے نوکر بھی چاہئے بادشاہ نے کہا نوکروں کی حکومت میں کیا کمی ہے یہ راجدھانی میں جتنے نوکر ہیں یہ سب آپ ہی کے تو ہیں۔ اس نے کہا پھر میرے اولاد بھی ہوگی تو بادشاہ نے کہا انشاءاللہ یقیناً ہوگی۔ اس نے کہا پھر ان کا بھی اتنا ہی انتظام کرنا ہوگا جتنا میرے لئے آپ کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا یہ تو دنیا کا دستور ہے وہ تو کرنا ہی پڑے گا۔

اس پر اس نے کہا یہ تہبند اتار کر پائجامہ پہننے میں اتنی لمبی چوڑی مصیبت ہے تو ہم اس کو نہیں پہنیں گے، یہ تہبند ہمارے لئے ٹھیک ہے یہ کہہ کر اٹھا اور محل سے باہر چلا گیا۔

فائدہ

مجذوبوں کی ایک جماعت ہے جو دنیا ومافیہا سے لاتعلق رہتی ہے۔ لوگ انہیں پاگل سمجھتے ہیں، لیکن اللہ کے یہاں ان کا مقام اتنا بلند ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ تعالی

اسے ضرور پورا کر دیتے ہیں۔ اگر کبھی ان سے ملاقات ہو تو دعا کی درخواست کر دے، ہو سکے تو ان کی مدد کر دے، چھیڑ چھاڑ بالکل نہ کرے۔

☆☆☆☆
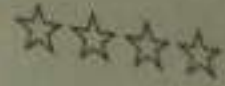
(۲۶)

ہر بلا کی دوا جلاب کی گولی

ایک فقیر تھے جو صاحب حکمت اور کشف و کرامات تھے ان کے پاس دس بارہ لڑکے حکمت سیکھنے کے لئے رہتے تھے۔ ایک بچے پر ان فقیر کو قدرتی پیار آ گیا تو اس کو اپنے پاس بٹھا کر پوچھنے لگے کہ بیٹا تم ہمارے یہاں کتنے عرصے سے کام سیکھ رہے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا آٹھ دس سال سے آپ کے پاس ہوں اور حکمت کا کام سیکھ رہا ہوں۔ فقیر نے پوچھا اس آٹھ دس سال کے عرصے میں تم نے کیا کیا سیکھا۔ لڑکے نے کہا بابا میں نے ابھی تک فقط جلاب کی گولی بنانا سیکھا ہے۔

فقیر نے سوچا کہ جب آٹھ دس سال میں اس نے صرف جلاب کی گولی بنانی سیکھی ہے تو اب بھلا یہ کیا سیکھے گا۔ یہ سوچ کر بابا نے اس لڑکے سے کہا جاؤ بیٹا وضو کر کے آؤ، وہ جا کر وضو کر کے آیا فقیر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا کی کہ اے باری تعالیٰ اگر آپ ہم جیسے فقیروں کی دعا قبول کریں تو اس بچے کو آپ صرف اسی ایک جلاب کی گولی میں کامیاب کر سکتے ہیں، میری آپ کے دربار میں دعا ہے کہ اس بچے کو آپ اپنے رحم و کرم سے اسی ایک گولی سے کامیاب کر دیجئے۔ یہ دعا کر کے بچے سے کہا بیٹا جاؤ اب اس سے زیادہ تم کو سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تم کو اسی ایک گولی میں کامیاب کر دے گا۔

لڑکا بھی بہت سیدھا اور نیک تھا، بابا کی دعا پر یقین آ گیا اور وہ چلا گیا، کچھ عرصے بعد اس نے ایک قصبے میں حکیم کا بورڈ لگا کر دوا خانہ کھول دیا۔ اب جو کوئی بیمار آتا اس کو جلاب کی گولی دے دیتا، بقیہ کچھ جانتا ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مریض کو آرام ہو جاتا۔ چاہے جو بھی بیماری ہو، سب کو بس وہی ایک جلاب کی گولی دیتا اور الحمد للہ شفا بھی ہو جاتی۔ پورے قصبے میں شہرت ہو گئی کہ عجیب قسم کا حکیم ہے کہ سب کو ایک ہی گولی دیتا ہے اور اس کی بیماری ختم ہو جاتی ہے۔ حکیم صاحب کی شہرت دور دور تک پہونچ گئی اور تمام لوگ معتقد ہو گئے۔

اتفاق سے ایک آدمی کی بھینس غائب ہو گئی، وہ تھانے میں رپورٹ لکھانے کے بجائے حکیم جی کے پاس چلا گیا اور کہا حضرت جی میں بال بچوں والا غریب آدمی ہوں، ایک بھینس تھی، اسی کے دودھ سے گذارہ تھا، اسے کوئی چرا لے گیا، آپ اللہ والے نیک آدمی ہیں کوئی تعویذ وغیرہ دے دیجئے کہ میری بھینس مل جائے۔ حکیم صاحب نے کہا تعویذ کیا کرو گے میری جلاب کی ایک گولی کھا لو ان شاء اللہ بھینس مل جائے گی یہ کہہ کر حکیم صاحب نے جلاب کی ایک گولی دیدی، اس نے اسے کھا لیا، گولی کھانے کے بعد اسے دست آنے لگے، اس زمانے میں بیت الخلاء گھر میں نہیں بنتے تھے جنگل میں لوگ حاجت کے لئے جاتے تھے، یہ بھی بار بار حاجت کے لئے جنگل میں جانے لگا، ایک مرتبہ جا رہا تھا تو دیکھتا ہے کہ ایک آدمی اس کی بھینس لے کر جا رہا ہے، یہ دیکھ کر اس نے چور چور چلانا شروع کیا تو وہ چور بھینس چھوڑ کر بھاگ گیا اور اس کی بھینس اس کو مل گئی۔ اس واقعہ سے حکیم صاحب کی شہرت میں اور چار چاند لگ گئے۔

اسی قصبے میں ایک راجہ رہتا تھا اسکی کئی بیویاں تھیں، ایک بیوی کے پاس وہ نہیں جاتا تھا اس بیوی نے جب حکیم صاحب کی شہرت سنی تو ایک عورت کی معرفت حکیم صاحب کو چپکے سے

بلایا اور کہا کہ آپ کے راجہ میرے پاس نہیں آتے ہیں، لہٰذا اس کے لئے کوئی تعویذ وغیرہ دے
دیں بڑی مہربانی ہوگی۔ حکیم صاحب نے کہا آپ تعویذ لے کر کیا کرو گی ہماری ایک جلاب کی
گولی کھالو، تمہارا کام انشاء اللہ ہو جائے گا، یہ کہہ کر جلاب کی ایک گولی مہارانی کو دیدی بھلا
جلاب کی گولی کب برداشت ہو سکتی تھی اس کو تو دست کے علاوہ قے بھی آنا شروع ہوگئی، پورے
محلے میں شہرت ہوگئی کہ رانی بیمار ہوگئی ہیں، یہ خبر جب راجہ کو ملی تو راجہ کو احساس ہوا کہ اگر میں اس
کی خبر گیری کے لئے نہیں جاؤں گا تو لوگ کہیں گے کہ راجہ کتنا بے رحم تھا کہ رانی کی خبر مرتے دم
تک نہیں لی، یہ سوچ کر راجہ صاحب بار بار رانی کی خبر گیری کے لئے آنے لگے۔ راجہ کا بار بار آنا
دیکھ کر رانی بہت خوش ہوئی دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ پہلے تو مجھے جھانک کر بھی نہیں دیکھتا تھا
اور گولی کھانے کے بعد بار بار میرے پاس آتا ہے واہ جلاب کی گولی واہ اور دل ہی دل میں حکیم
صاحب کی جلاب کی گولی کی تعریف کرنے لگی۔ اب حکیم صاحب کی شہرت راجوں اور رجواڑوں
میں بھی ہوگئی۔

ایک مرتبہ ایک دوسرے راجہ نے اس راجہ پر جنگ کے لئے چڑھائی کی، چڑھائی کرنے
والا راجہ بڑا تھا اور یہ راجہ چھوٹا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ حملہ کرنے کیلئے لشکر آرہا ہے تو اس نے قلعہ
کے دروازے بند کروادیئے اور اپنے وزیر وزراء کو جمع کر کے ان سے رائے مشورہ کرنے لگا کہ ہم
کو کیا کرنا چاہئے۔ سب نے کہا حضور ہمارے قصبہ میں ایک حکیم ہے اور وہ بہت پاورفل ہے، جو
کہتا ہے وہ ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کا مشورہ لیا جائے۔ راجہ نے کہا حکیم صاحب کو بلا لاؤ۔ حکیم
صاحب کے آنے پر لوگوں نے ان کی بہت تعظیم کی اور اس معاملہ میں رائے و مشورہ دینے کو کہا۔
حکیم صاحب نے کہا اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، انشاء اللہ کامیاب ہم ہی ہوں گے
۔ اس پر راجہ نے کہا ہمارے پاس اتنا لشکر کہاں ہے جو اس کے لشکر کا مقابلہ کر سکے۔ حکیم صاحب نے

پوچھا آپ کے پاس کتنے آدمی لڑنے والے ہیں، راجہ نے کہا کل ڈھائی سو آدمی ہیں، یہ سن کر حکیم
صاحب نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا کہ اتنی فوج تو بہت ہے۔ راجہ نے کہا حکیم صاحب دشمن کا لشکر
جو ڈھائی تین ہزار ہے ہمارے قلعہ کا گھراؤ کر کے کھڑا ہے اسکے مقابلہ میں ہماری ڈھائی سو فوج
بھلا کس کام کی۔ حکیم صاحب نے کہا آپ بالکل نہ گھبرائیں ہم جس طرح سے کہیں اسی طرح
آپ صاحبان کریں، انشاء اللہ آپ کی یقیناً فتح ہوگی۔ وزیر وزراء اور درباریوں نے کہا حضور حکیم
صاحب جو کہتے ہیں اس کو مان لیا جائے۔ راجہ نے حکیم صاحب سے کہا آپ کی کیا رائے ہے؟
حکیم صاحب نے کہا آپ اپنے فوجیوں کو لباس پہنا دیں اس کے بعد سب فوجیوں کو ہماری ایک
ایک جلاب کی گولی کھلا دیں، بس انشاء اللہ آپ کی فتح ہو جائے گی۔

بظاہر یہ بات بالکل الٹی معلوم ہوتی ہے کہ جلاب کی گولی کھانے کے بعد فوجی لڑیں گے
یا بیت الخلاء جائیں گے، حکیم صاحب کی یہ بات عقل کے بالکل خلاف تھی پھر بھی راجہ نے حکیم
صاحب کی بات مان لی اور سب لشکر والوں کو فوجی وردی پہنا کر جلاب کی ایک ایک گولی کھلا دی
۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے راجہ کو مشورہ دیا کہ ان فوجیوں کو حکم دیں کہ پچاس آدمیوں کا دستہ
ایک ساتھ بیت الخلاء جائے، جب وہ فارغ ہو جائے تو دوسرا دستہ فراغت کے لئے جائے۔ حکیم
صاحب کے مشورہ کے مطابق راجہ نے لشکر والوں کو حکم دیا کہ پچاس آدمیوں سے زائد فراغت کے
لئے کوئی نہ جائے۔ شام کو گولی کھلا دی گئی اور رات بھر لشکر والے پچاس پچاس جاتے اور فراغت
حاصل کر کے آتے۔ کل ڈھائی سو فوجی تھے پچاس پچاس کی پانچ جماعت ہوگئی۔ اسی طرح رات
بھر ہوتا رہا کہ پچاس آتے ہیں اور پچاس جاتے ہیں، ایک ایک دستے کو رات میں دس دس مرتبہ
جانا پڑا۔ رات بھر فوج والوں کے بیت الخلاء کے چکر کاٹنے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اسے دیکھئے۔
سامنے والی فوج کا ایک تجربہ کار سی آئی ڈی کہیں سے بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ یہ لوگ رات

میں کیا تیاری کر رہے ہیں، اس کی رپورٹ اپنی فوج کے بڑے آفیسر کو دیتا تھا۔ اس سی آئی ڈی نے رات بھر کا جو نظارہ دیکھا تو اس کی عقل حیران ہو گئی کہ پچاس آتے ہیں پچاس جاتے ہیں اس سے اس نے جو فوج کی تعداد کا اندازہ لگایا تو تقریباً بارہ تیرہ ہزار ہوتی ہے۔ وہ بھاگا ہوا اپنے سپہ سالار کے پاس گیا اور کہا حضور صلح نامہ بھیج دیجئے اور جنگ بند کر دینے کا اعلان کر دیجئے۔ سپہ سالار نے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ بتاؤ تو صحیح۔ اس نے کہا حضور میں رات بھر جاگتا رہا اور سامنے والے لشکر کا جائزہ لیتا رہا۔ سپہ سالار نے پوچھا پھر کیا دیکھا۔ اس نے کہا حضور کیا بتاؤں رات بھر پچاس آتے رہے پچاس جاتے رہے، اسی طرح رات بھر تیاری کرتے رہے، میری گنتی کے مطابق کم سے کم بارہ تیرہ ہزار آدمیوں کا لشکر ہے، ہم کو جو لشکر کی خبر ملی تھی کہ دو ڈھائی سو ہیں وہ غلط ہے، اگر قلعہ کا دروازہ کھل گیا تو ہماری خیر نہیں اور ہماری یہ ڈھائی تین ہزار کی فوج ہلاک ہو جائیگی بدنامی الگ سے ہوگی، لہٰذا آپ صلح نامہ بھیج کر صلح کر لیں تا کہ ہمارا لشکر بھی بچ جائے اور بدنامی بھی نہ ہو۔ سی آئی ڈی بہت تجربہ کار تھا اس لئے سپہ سالار نے اس کی بات مان لی اور صلح نامہ بھیج کر صلح کر لی۔ حکیم صاحب کی بنی بنائی رہ گئی اسی کو کہتے ہیں کرامت۔

فائدہ

والدین، اساتذہ اور مشائخ کی خدمت جہاں باعث ثواب اور اخروی نجات کا ذریعہ ہے وہیں دنیا کی فلاح وکامیابی کا بھی زینہ ہے۔ اس واقعے میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس بیچارے حکیم کی پوری ترقی کا مدار فقط استاذ کی دعاء ہے، ورنہ کہاں جلاب کی گولی اور کہاں محاذ جنگ پر کھڑا لشکر۔

معلوم ہوا کہ ان حضرات کی دعاؤں سے وہ چیزیں حاصل کی جا سکتی ہیں جو کتابوں یا

کسی اور ذریعہ سے نہیں حاصل ہو سکتیں اور دعا حاصل کرنے کا ذریعہ سوائے سعادت سمجھ کے خدمت کرنے کے اور کچھ نہیں ہے۔ کاش کہ طلبہ اس راز کو سمجھ لیتے، تو دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی حاصل کر لیتے۔

☆☆☆☆

(۶۷)

تیری مرضی پہ جینا تیری مرضی پہ مرنا

ایک بادشاہ تھا، اس نے ایک دن اپنے وزیر سے کہا، بیگن تو بہت اچھی چیز ہے؟ وزیر نے جواب دیا بہت ہی اچھی چیز ہے دو روپیہ کلو ملتا ہے، امیر غریب سب ہی سالن بنا کر کھاتے ہیں یہی تو بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیگن کے سر پر تاج رکھ دیا ہے۔ جہاں سے بیگن توڑا جاتا ہے اس کے اوپر چار پانچ پتی مثل تاج کے ہوتی ہیں۔ اس بات کے چار چھ مہینے گزرنے کے بعد ایک دن بادشاہ نے وزیر سے کہا: وزیر بیگن تو بہت بری چیز ہے؟ اس نے جواب میں کہا حضور بہت ہی بری چیز ہے، اس میں وٹامن تو بالکل ہوتا ہی نہیں، گدھوں کے کھانے کی چیز ہے انسان کے کھانے کی نہیں، یہی تو بات ہے کہ بیگن کے سر پر اللہ تعالیٰ نے میخ مار دی ہے۔ جہاں سے بیگن توڑا جاتا ہے اب اس ڈالی کو میخ کہہ رہا ہے پہلے تاج کہا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ نے وزیر سے کہا تو تو عجیب قسم کا آدمی ہے چار چھ مہینہ پہلے جب میں نے بیگن کی تعریف کی تو تو نے بھی بیگن کی تعریف کے پل باندھ دیئے اور آج جب میں بیگن کو برا کہہ رہا ہوں تو تو بھی اس کو برا کہہ رہا ہے یہ کون سی تیری شرافت ہے۔ وزیر نے کتنا اچھا جواب دیا، اس نے کہا ہم بیگن کے تابع نہیں ہیں

ہم تو آپ کے تابع ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک بیگن اچھا ہے تو ہمارے نزدیک بھی اچھا ہے اور اگر آپ کے نزدیک برا ہے تو ہمارے نزدیک بھی برا ہے۔

فائدہ

یہی حال ہم مسلمانوں کا ہونا چاہیے کہ ہماری اپنی کوئی خواہش اور رائے نہیں ہونی چاہیے، اللہ اور نبی کے فرمان اور ان کے حکم پر ہماری ہر خواہش قربان ہو جانی چاہیے۔ وہ کسی چیز کو اچھی کہتے ہیں تو ہمارے نزدیک بھی وہ اچھی ہے اور بری کہتے ہیں تو بری ہے، جب ہم نے مسلمان ہونے کا اقرار کرلیا ہے تو اب ہماری کوئی خواہش نہیں ہے بلکہ اسلام کے معمولی حکم پر ہماری ہزاروں خواہشیں قربان۔ یہی سچی مسلمانی ہے۔

☆☆☆☆
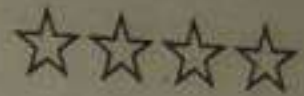
(۶۸)

﴿بھینس تو ملنے دیں﴾

ایک آدمی کی بھینس گم ہوگئی اس نے منتیں ماننا شروع کردیں۔ اے جلال شاہ بابا میری بھینس مجھ کو مل جائے گی تو میں تیرے نام کی ایک ہزار روپیہ کی نیاز کروں گا۔ اے کمال شاہ بابا میری بھینس مجھ کو مل جائے گی تو میں تیرے نام کی دو ہزار روپیہ کی نیاز کروں گا۔ اے ظاہر شاہ بابا میری بھینس مل جائے گی تو میں تیرے نام کی تین ہزار روپیہ کی نیاز کروں گا۔ اس کی بیوی یہ سب کچھ سن رہی تھی اس نے کہا میاں بس بھی کرو کتنی منتیں مانو گے، بھینس کی قیمت سے زیادہ تو

منتوں کی رقم ہوگئی میاں نے بیوی سے کہا تو چپ چاپ خاموشی کے ساتھ سنتی رہ بھینس ملنے کے بعد میں کسی کو کچھ بھی نہیں دوں گا۔

فائدہ

واضح رہے کہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کی منت ماننا یا قسم کھانا جائز نہیں ہے، یہ سب کفریہ وشرکیہ افعال ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے۔ ناس ہو بریلوی طبقہ کے لوگوں کا جب سے ان لوگوں نے مزاروں پر میلا وعرس لگانا شروع کیا اس وقت سے جاہل عوام صاحب مزار سے مرادیں مانگنے لگی اور ان کے نام کی منت بھی مانگنے لگی۔ اللہ تعالی بچائے اس گمراہی سے۔ (آمین)

☆☆☆☆
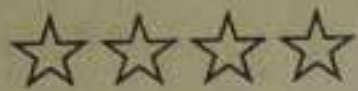
(۶۹)

﴿آسمان جتنی بڑی روٹی﴾

ایک بڑھیا تھی، اس کے ایک ہی لڑکا تھا، وہ بیمار پڑ گیا، علاج لاعلاج ہوگیا۔ ایک روز بڑھیا بیمار لڑکے کے پاس بیٹھی تھی اور یہ منت مان رہی تھی: ارے اللہ میرے بیٹے کو آرام ہو جائے تو میں تیرے نام پر آسمان جتنی بڑی روٹی بنا کر خیرات کروں گی۔ لڑکا ذرا سمجھدار تھا وہ چارپائی پر پڑا پڑا امی کے الفاظ سن رہا تھا وہ کہنے لگا: امی اتنی بڑی روٹی کا ہے پہ پکائے گی۔ امی نے کہا بیٹا تجھے آرام تو ہو جائے پھر تو میں انگوٹھا دوں گی۔